ماہنامہ

اشراق

لاہور

نومبر ۲۰۲۳ء

زیرسرپرستی

جاوید احمد غامدی

"قرآن کی اتھاہ سنجیدہ فضا، اُس میں حقائق غیب کا بے مثال انکشاف، اُس میں اصول و فروع کا نادر اتحاد اور لفظ و معنی کا بے نظیر ارتباط، اُس میں خدائی قانون اور خدائی حکمت کا بیان، یہ سب اِس سے بہت برتر ہے کہ آدمی اُس میں محض لفظوں کا آہنگ، اور موسیقی اور قوافی و فواصل کا اہتمام دیکھے اور اُسے شاعری کہہ کر فارغ ہو جائے۔ قرآن سے پہلے زبور بھی اِسی اسلوب کلام کا بے مثال شہ پارہ تھا۔ وہ اپنی اصل زبان میں باقی نہیں رہی، مگر جو کچھ باقی ہے، اُسے ہی دیکھ لیجیے، وہ بھی صاف بتا رہا ہے کہ این کتاب از آسمانے دیگر است۔"

—— قرآنیات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد

ادارہ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن وسنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ وتلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن وسنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول وفروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق وتنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشرواشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن وسنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان واخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم وتعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو ونما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما وصالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر وعبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب ونظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ

اشراق

لاہور

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

جلد ۳۵ شمارہ ۱۱ نومبر ۲۰۲۳ء ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ

مدیر

طالب محسن

مجلس علمی

ڈاکٹر منیر احمد | محمد رفیع مفتی
طالب محسن | محمد وسیم اختر مفتی
ڈاکٹر عبید الرحمٰن | ڈاکٹر ساجد حمید
ڈاکٹر شہزاد سلیم | آصف افتخار
ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر | خورشید احمد ندیم
اظہار احمد | کوکب شہزاد
جنید حسن | مشفق سلطان

مدیر انتظامی

جواد احمد غامدی

مجلس ادارت

شاہد رضا | نعیم احمد

فہرست

شذرات

دین داری — طالب محسن — ۴

قرآنیات

البیان: یٰس ۳۶: ۵۱-۸۳ (۲) — جاوید احمد غامدی — ۸

معارف نبوی

حج فرض یا حج نذر؟ — حدیث سیل / شاہد رضا — ۱۶

مقالات

قرآن مجید میں اختلاط مرد و زن کے احکام (۳) — ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر — ۲۱

شخصیات

حیات امین احسن (۲) — محمد بلال — ۳۵

نقطۂ نظر

کیا حضرت معاویہ نے سبِّ علی کا حکم دیا تھا؟ — علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی / ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی — ۴۷

فلسطین کا مقتل اور مذہبی مقدمات — خورشید احمد ندیم — ۵۵

سیر و سوانح

مہاجرین حبشہ (۲۵) — محمد وسیم اختر مفتی — ۵۸

اصلاح و دعوت

اخلاص نیت — محمد رفیع مفتی — ۶۵

اجتماعی بحران کا سبب — محمد ذکوان ندوی — ۷۱

فی شمارہ 100 روپے — سالانہ 1000 روپے — رجسٹرڈ 2000 روپے (زر تعاون بذریعہ منی آرڈر) — بیرون ملک سالانہ 50 ڈالر

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

طالب محسن

دین داری

دین داری کیا ہے؟

یہ سوال اس وجہ سے اہم ہے کہ ہمارے معاشرے میں دین داری کے مختلف بیانیے اور اس کے طرح طرح کے عملی منہج نظر آتے ہیں۔ ایک سوچنے سمجھنے والا ذہن اس سوال کا سامنا کرتا ہے کہ ان میں سے کون سا بیانیہ اور کون سا منہج قرآن و سنت کے مطابق ہے؟

کوئی کہتا ہے کہ اصل دین داری انسانیت (humanity) ہے۔ ذکر اذکار اور تسبیح و مناجات کی سرگرمیاں تو انفرادی مفاد کے لیے ہیں۔ جنت کا حصول تو اپنی غرض کی تکمیل ہے۔ اصل فضیلت انسانیت کی فلاح و بہبود میں کوئی کردار ادا کرنا ہے:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

کوئی کہتا ہے کہ اصل دین داری یہ ہے کہ آدمی لذات سے کنارہ کش ہو، دنیا اس کا مقصود و مطلوب نہ ہو۔ اس کی زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ اس کے دل میں خدا بسا ہوا ہو۔ وہ نہ اچھا پہنے، نہ اچھا کھائے اور نہ بیوی بچوں میں دل لگائے۔ بس دنیا سے اتنا ہی لے جو اس حیات دنیوی کے لیے ناگزیر ہے۔ کمال یہ ہے کہ وہ اس نعرۂ مستانہ کی تصویر ہو:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا، اب تو خلوت ہو گئی

کوئی کہتا ہے کہ دین داری اللہ کے دین کو تمام انسانوں تک پہنچانے، ان کو دین پر عمل کرنے والا بنانے اور ان کی آخرت کو سنوارنے کی سعی وجہد کا نام ہے۔ اس مقصد کے لیے سرگرم رہنا، لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف لانے کی سعی میں تکلیفیں اٹھانا اور اسے زندگی کے دوسرے تقاضوں پر ترجیح دینا ہی آئیڈیل اسلامی زندگی ہے:

رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

کوئی کہتا ہے کہ اللہ سے محبت اصل دین داری ہے۔ ساری سرگرمیوں کا ہدف وصال الٰہی، قرب الٰہی، عالم لاہوت تک رسائی، امور تکوینی کی خبر اور اللہ کے ہاں یقیناً مستجاب الدعوات ہونے کا مقام حاصل ہو جائے۔ من و تو کی تفریق بے معنی ہو جائے۔ نعرۂ انا الحق کہنے کا حال حاصل ہو جائے یا یہ مقام جذب:

کیہ جاناں میں کون؟

کوئی کہتا ہے کہ دین داری اعلاے کلمۃ اللہ کے مشن میں اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ اللہ کا دین اس دنیا میں غالب ہو اور یہ غلبہ صرف نظریاتی نہیں ہے، بلکہ ایک نظام کا غلبہ ہے، جس کے تحت انسان کی انفرادی، سماجی اور اجتماعی زندگی آتی ہے۔ اس کے لیے تربیت، اس کی راہ میں موجود رکاوٹوں کے مد مقابل صبر و استقامت اور اس کے دشمنوں کے خلاف مزاحمت ہی ایک مسلمان سے مطلوب زندگی ہے:

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی

میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

کوئی کہتا ہے کہ اللہ کا دین اللہ کی اتاری ہوئی ہدایت ہے۔ اس میں صحیح عقائد اور درست اعمال بتا دیے گئے ہیں۔ اس میں عقائد میں در آنے والی گم راہیاں بھی واضح کر دی گئی ہیں اور اس میں اعمال میں ہونے والی غلطیاں بھی بیان ہو گئی ہیں، گویا جائز بھی واضح ہے اور ناجائز بھی واضح۔ جائز پر عمل نیکی ہے اور اس کی جزا جنت ہے۔ ناجائز پر عمل گناہ ہے اور اس کی سزا جہنم ہے۔ دین داری یہ ہے کہ آدمی گناہوں سے بچے اور نیکیوں پر کاربند ہو۔ بس بندۂ مومن وہ ہے جو اللہ کے احکام کا پابند ہو۔ اس میں فرائض کی ادائیگی لازم ہے اور نوافل و مستحبات کا اہتمام فضیلت۔ محرمات سے بچنا واجب ہے اور مکروہات سے بچنا درجۂ بلند:

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی

یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ بیانیے کم ہی خالص حالت میں پائے جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ قرآن و سنت کی تعلیمات کا تنوع کسی ایک بیانیے میں سماتا ہے اور نہ ہی کوئی بیانیہ نفس انسانی کے تمام مطالبات کی تسکین

کا سامان رکھتا ہے۔ لہٰذا کسی فرد یا افراد کے ہاں ان میں سے کسی ایک بیانیے کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور وہ دوسرے بیانیوں سے کچھ پھول شامل کرکے اپنے لیے فکر و عمل کا ایک 'دلکش' گلدستہ تیار کر لیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان میں سے صحیح کیا ہے یا قرآن و سنت سے ان میں سے کس بیانیے کی تائید ہوتی ہے؟

قرآن و سنت کے مطالعے سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ دنیا امتحان کے لیے ہے اور ہم علم و عمل کے اعتبار سے آزمائے جا رہے ہیں۔ کون ہے جو حق کو قبول کرتا اور کون اس کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ شب و روز ایسے حالات و واقعات پیش آتے ہیں جن میں ہم حق اور اس کے مطابق عمل کے امتحان سے گزرتے ہیں۔ جس دین کو ہم نے مانا ہوا ہے، اس میں عقائد و اعمال سے متعلق تعلیمات ہیں۔ پہلا تقاضا تو یہ ہے کہ ہمیں ان حالات و واقعات سے گزرتے ہوئے ان پر قائم رہنا ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے فکر و عمل میں کوئی کوتاہی ہونی چاہیے اور نہ انسانوں سے معاملات کرتے ہوئے دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب ہونا چاہیے۔ دین کے احکام کی بجا آوری اور اسلام کے شعائر سے تعلق میں اس ذوق و شوق کو پانے کی سعی کرنی چاہیے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ میں نظر آتا ہے۔ بندگی کا طریق قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی ہو اور بندگی کا شوق اسوۂ رسول سے مستنیر ہو تو وہ دین داری حاصل ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عطا ہوئی۔

لیکن کہانی اس طرح بسیط نہیں ہے۔ زندگی کے شب و روز حیات دنیوی کے کئی رنگوں سے مزین ہیں۔ علم و تحقیق کے بہت سے میدان ہیں۔ محققین پیدا ہوتے اور نئے نظریات اور نئی ایجادات سے وجود ہستی کو آراستہ کرتے رہتے ہیں۔ رنگا رنگ پیشے ہیں جن میں مہارت حاصل کرنے اور پھر کامیابیوں کے حصول کے لیے لوگ جتے رہتے ہیں۔ سماجی خدمات کے بہت سے کام ہیں جنھیں لوگ اپنی زندگی کا مشن بنا کر انجام دیتے ہیں۔ اجتماعی زندگی کی ذمہ داریاں ہیں جن کے لیے متعدد محکمے کام کرتے ہیں، ہزاروں افراد اس کا حصہ بنتے ہیں۔ سیاسی سرگرمیاں اور سیاسی اہداف ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو انھی کو اپنی زندگی بنا لیتے ہیں۔ دین کی تعلیم، تربیت اور دفاع کی سرگرمیاں ہیں جو بہت سے لوگوں کے لیے اصل کام کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ ہمارا دین چونکہ دنیا پر ایک زمانے تک غالب رہا ہے اور اب ہم مغلوبیت کے دور سے گزر رہے ہیں، اس لیے اس عظمت رفتہ کی بازیافت کی تمنا مختلف تحریکوں کی صورت میں ظاہر ہوتی رہی ہے اور آیندہ بھی اپنا وجود دکھاتی رہے گی۔ ہمیں الہامی صحائف سے معلوم ہوا کہ اس کائنات میں ایسی مخلوقات بھی ہیں جو ہمارے حواس کی گرفت سے باہر ہیں۔ خدا کا عرش

ہے۔ایک نظام تکوین ہے۔ غرض یہ کہ اس عالم مادی سے بالا ایک غیر مادی عالم ہے۔ چنانچہ اس تک رسائی اور اس سے تعلق کی تمنا نے تصورات واعمال کے کئی نظام وجود پذیر کر دیے ہیں، جن کے مطابق ہر معاشرے میں لوگ زندگی بسر کرتے ہیں اور بڑی بڑی کامیابیوں کو حاصل کرنے کے مدعی ہیں۔ کچھ شخصیتیں صوم وصلوٰۃ، حمد و تسبیح اور تفویض و تسلیم کے کیف و سرور اور رنگ و حال میں جینے ہی میں اپنے وجود کا مصرف دیکھتی ہیں اور انھی میں زندگی بتا دیتی ہیں۔ یہ اور اس طرح کے اور دائرے بھی ہیں جو عمل اور رد عمل کی دنیا آباد کیے ہوئے ہیں۔ اسی طرح قدرت کی طرف سے ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جو تہذیب کے سفر کا رخ موڑ دیں اور انسانوں کی طرف سے ایسے اقدامات ہوتے رہتے ہیں جو چلتے ہوئے نظام کو تبدیل کرنے کا سبب بن جائیں۔

مسلمان کی زندگی بھی انھی سے عبارت ہے۔ انھی کے سبب سے اس کی زندگی کے احوال و ظروف پیدا ہوتے، امکانات و اہداف سامنے آتے اور تمنائیں اور جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ انھی میں وہ حیات دنیوی کو گزارنے کا نقشہ بناتا اور اپنے لیے منزلیں طے کرتا ہے۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے وہ اپنے دین سے یہاں بھی رہنمائی اخذ کرتا ہے اور اپنے دین کو اس کی تائید میں کھڑا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بہت سے حوالوں سے قرآن و حدیث میں کچھ تعلیمات موجود ہیں اور ان کے مطابق عمل ہونا بھی چاہیے، لیکن ہمارے نزدیک دین داری یہ ہے کہ یہ تمام سرگرمیاں کرتے ہوئے ایک مسلمان دین کے عقائد، اوامر و نواہی اور آخرت کی فلاح کی منزل کو اپنے قول و فعل میں ترجیح اول بنائے رکھے۔ اس کے جذبات، اس کی ضرورتیں، اس کی خواہشیں اور زندگی کے گزران کا جبر اسے دین سے سر مو کے برابر بھی منحرف نہ ہو۔ ہم مسلمانوں کی علمی تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ اوپر مذکور احوال و ظروف میں مسلمان صحیح دین پر بھی رہے ہیں اور انھوں نے نیا دین بنانے کا گناہ بھی کر ڈالا ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ یٰسٓ

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا
يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾
اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور (اِسی طرح ایک دن) صور پھونکا جائے گا[۳۴] تو یکایک قبروں سے نکل نکل کر یہ اپنے پروردگار کی طرف چل پڑیں گے۔ (اُس وقت) کہیں گے: ہاے ہماری بدبختی! یہ ہم کو ہماری قبر سے کس نے اٹھا دیا ہے؟ یہ وہی چیز ہے جس کا خداے رحمٰن نے (تم سے) وعدہ کیا تھا اور (دیکھ لو کہ) پیغمبروں نے بالکل سچی بات کہی تھی۔[۳۵] وہ بھی ایک ڈانٹ ہی ہو گی اور یکایک یہ سب کے سب

۳۴۔ اِس کی حقیقت کو جاننا تو کسی کے لیے ممکن نہیں ہے، اِس لیے کہ اِس کا تعلق امور متشابہات سے ہے۔ تاہم جو لفظ اِس کے لیے استعمال کیا گیا ہے، اِس کا کچھ تصور اُس سے قائم ہو جاتا ہے۔ پرانے زمانوں میں شاہی جلوس یا اعلان جنگ کے موقع پر نرسنگھا پھونکا جاتا تھا۔ عربی زبان میں اُسی کو 'صُوْر' کہتے ہیں۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہی کوئی چیز پہلے قیامت برپا کرنے اور پھر مردوں کو قبروں سے اٹھانے کے لیے پھونکی جائے گی۔

۳۵۔ اُن کی تفضیح و تذلیل کے لیے یہ بات غالباً فرشتوں کی زبان سے کہی جائے گی۔

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾
اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ
عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ
قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾
وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ

ہمارے حضور میں حاضر کر دیے جائیں گے۔[۳۶] ۵۱-۵۳

سو آج کے دن[۳۷] کسی شخص پر کوئی ظلم نہ ہو گا اور تم کو وہی بدلے میں ملے گا جو کرتے رہے ہو۔ بے شک، جنت کے لوگ آج اپنی دل چسپیوں[۳۸] میں مگن ہوں گے۔ وہ اور اُن کی بیویاں سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔[۳۹] اُن کے لیے وہاں میوے ہوں گے اور جو مانگیں گے، اُن کے لیے حاضر ہو گا۔ اُنھیں سلام کہلایا جائے گا، اُس پروردگار کی طرف سے جس کی شفقت ابدی ہے۔[۴۰] ۵۴-۵۸

اور تم، اے مجرمو، آج (میرے اِن بندوں سے) چھٹ کر الگ ہو جاؤ۔ (اب تمھاری دنیا الگ

۳۶۔ یعنی اُسی طرح حاضر کر دیے جائیں گے، جیسے مجرم حاضر کیے جاتے ہیں۔

۳۷۔ یہ تصویر حال کا اسلوب ہے۔ گویا وہ دن سامنے ہے اور مخاطبین کو اُس کے احوال سنائے جا رہے ہیں۔

۳۸۔ اصل میں لفظ 'شُغُل' آیا ہے۔ اِس کی تنکیر یہاں تفخیم شان کے لیے ہے۔

۳۹۔ یعنی اُسی طرح، جیسے بادشاہ بیٹھتے ہیں۔

۴۰۔ آیت میں مبتدا محذوف ہے، جس سے مخاطب کی ساری توجہ خبر پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ یہ اُس سب سے بڑی سرفرازی کا ذکر ہے جس کا ایک بندۂ مومن اپنے لیے تصور کر سکتا ہے۔ استاذ امام کے الفاظ میں، کون اندازہ کر سکتا ہے اہل جنت کی اِس سرفرازی کا کہ اُن کو رب رحیم و کریم کی طرف سے سلام و پیغام موصول ہوں گے:

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

لَا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ ۚ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ؕ ھٰذَا
صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡکُمۡ جِبِلًّا کَثِیۡرًا ؕ اَفَلَمۡ تَکُوۡنُوۡا
تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۲﴾ ھٰذِہٖ جَھَنَّمُ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۶۳﴾ اِصۡلَوۡھَا الۡیَوۡمَ بِمَا
کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ﴿۶۴﴾
اَلۡیَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاھِھِمۡ وَتُکَلِّمُنَاۤ اَیۡدِیۡھِمۡ وَتَشۡھَدُ اَرۡجُلُھُمۡ بِمَا
کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۶۵﴾
وَلَوۡ نَشَآءُ لَطَمَسۡنَا عَلٰۤی اَعۡیُنِھِمۡ فَاسۡتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰی یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۶۶﴾

اور اِن کی دنیا الگ ہے)۔ آدم کے بیٹو، کیا میں نے تمھیں پابند نہیں کر دیا تھا[۴۱] کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا، اِس لیے کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور یہ بھی کہ میری ہی بندگی کرنا؟ یہی سیدھا راستہ ہے۔ اِس کے باوجود اُس نے تم میں سے ایک گروہ کثیر کو گم راہ کر دیا ہے۔ پھر کیا تم سمجھتے نہیں تھے؟ یہ وہی جہنم ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا تھا۔ اب اِس میں داخل ہو جاؤ، اپنے کفر کی پاداش میں۔ ۵۹-۶۴

آج ہم اِن کے مونھوں پر مہر لگا دیں گے[۴۲] اور اِن کے ہاتھ ہمیں بتائیں گے اور اِن کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ کرتے رہے ہیں۔ ۶۵

اگر ہم چاہتے[۴۳] تو اِن کی آنکھیں مٹا دیتے، پھر یہ راستے کی طرف بڑھتے تو کہاں سے دیکھتے؟

۴۱۔ آیت میں 'عَھِد' کے ساتھ 'اِلٰی' ہے جس سے پابند کرنے یا ذمہ دار بنانے کے معنی اُس میں پیدا ہو گئے ہیں۔

۴۲۔ اِس لیے کہ زبانیں جھوٹ بھی بول سکتی ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اسلوب کلام غائب کا ہو گیا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ بے بسی کی تصویر کے لیے یہی اسلوب زیادہ موزوں ہے۔

۴۳۔ اصل الفاظ ہیں: 'لَوۡ نَشَآءُ'۔ اِس میں مضارع سے پہلے فعل ناقص محذوف ہے، یعنی 'وَلَوۡ کُنَّا نَشَآءُ'۔

وَلَوۡ نَشَآءُ لَمَسَخۡنٰهُمۡ عَلٰی مَكَانَتِهِمۡ فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مُضِيًّا وَّلَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿٦٧﴾
وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ فِی الۡخَلۡقِ ؕ اَفَلَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿٦٨﴾
وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَمَا يَنۡۢبَغِیۡ لَهٗ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ وَّقُرۡاٰنٌ مُّبِيۡنٌ ﴿٦٩﴾ ۙ لِّيُنۡذِرَ

اور اگر ہم چاہتے تو اِن کی جگہ ہی پر اِن کو مسخ کر دیتے، پھر نہ آگے بڑھ سکتے اور نہ پیچھے لوٹ سکتے۔[۴۴] (کیا دیکھتے نہیں کہ) جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، اُس کی خلقت میں درجہ بدرجہ اُس کو پیچھے لوٹا دیتے ہیں۔[۴۵] پھر کیا سمجھتے نہیں ہیں؟ ۶۷-۶۸

(تم اِسے شاعری کہتے ہو)؟[۴۶] ہم نے اپنے پیغمبر کو شاعری نہیں سکھائی اور یہ اُس کے شایان شان بھی نہیں ہے۔[۴۷] یہ تو صرف ایک یاددہانی[۴۸] اور ایک واضح قرآن[۴۹] ہے تاکہ (اِس

۴۴۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے جرائم کے لحاظ سے تو یہ اِسی کے مستحق تھے، لیکن ہماری عنایت ہے کہ اِس کے باوجود ہم نے اِنھیں مہلت دے رکھی ہے۔

۴۵۔ یعنی پھر اُسی ضعف و ناتوانی کی حالت کی طرف لوٹا دیتے ہیں جس سے اُس نے زندگی کی ابتدا کی تھی۔ اوپر جو دھمکی دی گئی ہے، یہ اُس کی دلیل ہے جو قرآن نے ہمارے روز و شب کے مشاہدات سے پیش فرمائی ہے کہ جو خدا یہ کرتا ہے، اُس کے لیے تمھاری آنکھیں مٹا دینا یا تم کو مسخ کر دینا کیا مشکل ہے۔

۴۶۔ قرآن کے مخالفین جب دیکھتے کہ لوگ اُس کی دعوت اور اُس کی معجزانہ فصاحت و بلاغت سے متاثر ہو رہے ہیں تو اُس کے مدعا سے توجہ ہٹانے کے لیے اُن سے کہتے تھے کہ اِسے خدائی کلام یا وحی و الہام سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ محض شاعرانہ جادو بیانی ہے جس سے یہ شخص تمھارے دل و دماغ کو مسخر کر کے تمھیں یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ یہ خدا کا رسول ہے۔ آگے اِسی کا جواب دیا ہے۔

۴۷۔ اِس لیے کہ شاعر گفتار کے غازی ہوتے ہیں، کردار کے غازی نہیں ہوتے؛ اُن کا کلام ایک مجموعۂ تضادات ہوتا ہے اور اُن کے پیرو، بالعموم وہی لوگ ہوتے ہیں جو علم و عقل کے بجاے اپنی باگ جذبات و خواہشات کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ بالبداہت واضح ہے کہ اِن میں سے کوئی بات بھی پیغمبر کے شایان شان نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن کی اتھاہ سنجیدہ فضا، اُس میں حقائق غیب کا بے مثال انکشاف، اُس میں اصول و فروع کا نادر اتحاد اور

مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا

کے ذریعے سے) وہ اُنھیں خبردار کر دے جو زندہ ہوں[۵۰] اور منکروں پر خدا کی حجت تمام ہو جائے۔۶۹-۷۰

کیااِنھوں نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی[۵۱] چیزوں میں سےاِن کے لیے چوپایے

لفظ و معنی کا بے نظیر ارتباط، اُس میں خدائی قانون اور خدائی حکمت کا بیان، یہ سب اِس سے بہت برتر ہے کہ آدمی اُس میں محض لفظوں کا آہنگ، اور موسیقی اور قوافی و فواصل کا اہتمام دیکھے اور اُسے شاعری کہہ کر فارغ ہو جائے۔ قرآن سے پہلے زبور بھی اِسی اسلوب کلام کا بے مثال شہ پارہ تھا۔ وہ اپنی اصل زبان میں باقی نہیں رہی، مگر جو کچھ باقی ہے، اُسے ہی دیکھ لیجیے، وہ بھی صاف بتا رہا ہے کہ ایں کتاب از آسمانے دیگر است۔

۴۸۔ یہ کس لحاظ سے یاددہانی ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ”... یہ اُن تمام حقائق کی بھی یاددہانی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے اندر ودیعت فرمائے ہیں، اُس پوری تاریخ ہدایت کی بھی یاددہانی کرتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پھیلی ہوئی ہے اور اُن تمام نتائج و عواقب کی بھی یاددہانی کرتا ہے جو دنیا اور آخرت، دونوں میں لازماً پیش آ کے رہیں گے، اگر اللہ کے رسول کی تکذیب کی گئی۔“ (تدبر قرآن ۶/۴۴۱)

۴۹۔ یعنی بغیر کسی ابہام کے قطعی اور دوٹوک طریقے پر حقائق کو واضح کر دینے والا۔

۵۰۔ یعنی دل کے زندہ ہوں۔ یہ عقلی اور روحانی زندگی کی تعبیر ہے۔ قرآن نے جگہ جگہ واضح کیا ہے کہ خدا مردوں کے لیے ہدایت کا اہتمام نہیں کرتا۔ اُس کی ہدایت صرف اُنھی کے لیے ہے جو اپنے سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیتوں کو زندہ رکھتے ہیں۔ ہدایت و ضلالت کے باب میں یہی سنت الٰہی ہے۔

۵۱۔ یعنی اپنی خاص قدرت و حکمت سے بنائی ہوئی جس میں کسی دوسرے کا ذرہ برابر کوئی دخل نہیں ہے۔ یہاں سے آگے وہی مضمون ایک نئے اسلوب میں دوبارہ سامنے آگیا ہے جس سے سورہ کی ابتدا ہوئی تھی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مٰلِكُوْنَ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ
فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ﴿٧٣﴾
وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ﴿٧٤﴾ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا
يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴿٧٦﴾

پیدا کیے ہیں اور اب یہ اُن کے مالک ہیں؟[۵۲] اور ہم نے اُن کو اِس طرح اِن کا تابع بنا دیا ہے کہ اُن میں سے بعض اِن کی سواریاں ہیں اور اُن میں سے بعض کا گوشت کھاتے ہیں، اور اِن کے لیے اُن کے اندر دوسری منفعتیں بھی ہیں اور (خاص کر) پینے کی چیزیں بھی۔[۵۳] پھر کیا یہ شکر نہیں کرتے؟[۵۴] ۷۱-۷۳

اِنھوں نے اِس توقع پر اللہ کے سوا دوسرے معبود بنائے کہ اِن کی مدد کی جائے گی۔ وہ اِن کی مدد نہیں کر سکیں گے، بلکہ یہ اُن کی فوج ہو کر حاضر کیے جائیں گے۔[۵۵] سو اِن کی بات تمھیں آزردہ نہ کرے، (اے پیغمبر)۔ ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔[۵۶] ۷۴-۷۶

۵۲۔ یعنی اُن پر ہر طرح کے تصرف کا حق رکھتے ہیں جو خدا ہی نے اِنھیں دیا ہے۔

۵۳۔ جیسے دودھ اور اُس سے بنی ہوئی مختلف چیزیں۔

۵۴۔ مطلب یہ ہے کہ اِن نعمتوں کا حق تو یہ تھا کہ یہ خدا ہی کے شکر گزار ہوتے اور تنہا اُسی کی عبادت کرتے، مگر اِنھیں جب اِس حقیقت کی یاددہانی کی جاتی ہے تو اِس کو شاعری قرار دے کر اِس سے گریز و فرار کی راہیں تلاش کرنے لگ جاتے ہیں۔

۵۵۔ یعنی خدا کے بجاے اُنھی معبودوں کے لشکر کی حیثیت سے خدا کے حضور میں حاضر ہوں گے اور وہاں فیصلہ ہو گا کہ یہ کس سزا کے مستحق ہیں۔

۵۶۔ لہٰذا اِن سے نمٹ بھی لیں گے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾
وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾
قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ﴿۷۹﴾ ۙ الَّذِیْ
جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾
اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔط

(اِنھیں تعجب ہے کہ مرنے کے بعد یہ کس طرح اٹھائے جائیں گے)؟ کیا انسان[۵۷] کو معلوم نہیں کہ ہم نے اُس کو پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا، پھر وہ کھلا ہوا حریف بن کر اٹھ کھڑا ہوا؟ اُس نے ہم پر پھبتی چست کی[۵۸] اور اپنی پیدایش کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے، جب کہ وہ بوسیدہ ہو جائیں گی؟ کہہ دو، اُن کو وہی زندہ کرے گا جس نے اُنھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اپنی ہر مخلوق کو وہ خوب جانتا ہے۔[۵۹] وہی جس نے تمھارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کر دی،[۶۰] پھر اب اُسی سے سلگاتے ہو۔ کیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا، وہ اِس پر قادر

www.javedahmadghamidi.com al-mawrid.org

۵۷۔ 'انسان' سے مراد قریش ہی ہیں، جو اِس سورہ کے مخاطب ہیں، لیکن بے التفاتی کے اظہار کے لیے لفظ عام استعمال فرمایا ہے۔

۵۸۔ اصل میں 'ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا' کے الفاظ آئے ہیں۔ موقع ہو تو یہ اُس مفہوم کے لیے بھی آتے ہیں جو ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے۔

۵۹۔ یعنی مرنے کے بعد مٹی میں رل مل جائیں تو اُن سے بے خبر نہیں ہو جاتا۔ وہ اُن کے وجود کے ایک ایک ذرے سے واقف ہے۔

۶۰۔ یہ اُن درختوں کی طرف اشارہ ہے جن کی شاخوں سے صحراؤں کے مسافر چقماق کا کام لیتے تھے۔ سورہ کے مخاطبین اُن سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ قرآن نے اِسے ضد سے ضد کے نمودار ہونے کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے کہ تمھاری بوسیدہ ہڈیوں کی مٹی سے تم بھی اِسی طرح نمودار ہو جاؤ گے۔

بَلٰی ق وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨١﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾

نہیں کہ اِن لوگوں جیسی مخلوق پیدا کر دے؟ کیوں نہیں، وہی خلاق ہے، ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اُس کا تو یہ معاملہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔[61] سو پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے[62] اور تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ۷۷-۸۳

۶۱۔ یعنی اُس طریقے سے ہو جاتی ہے جو اُس کے لیے مقرر کر دیا جاتا ہے، کبھی چشم زدن میں اور کبھی ہزاروں سال میں۔

۶۲۔ لہٰذا تم بھی ہر نقص و عیب سے اُس کو پاک قرار دو اور اِس حقیقت کو تسلیم کرو کہ کائنات کی تخلیق اور اُس کی تدبیر امور میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کوالالمپور

۹؍ مئی ۲۰۱۴ء

معارف نبوی

حدیث سیل

ترجمہ وتدوین: شاہد رضا

حج فرض یا حج نذر؟

رُوِيَ أَنَّ رَجُلًا نَذَرَ أَنْ يَحُجَّ وَلَمْ يَكُنْ حَجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «حُجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ، ثُمَّ حُجَّ لِنَذْرِكَ بَعْدُ».

وَرُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ: لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ، قَالَ: «مَنْ شُبْرُمَةُ»؟ قَالَ: أَخٌ لِيْ أَوْ قَرِيْبٌ لِيْ، قَالَ: «حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ»؟ قَالَ: لَا، قَالَ: «حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ، ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ».

روایت کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے حج ادا کرنے کی نذر مانی، جب کہ اس نے فرض حج ادا نہیں کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: پہلے فرض حج ادا کرو، پھر اپنی نذر کے لیے حج ادا کرو۔[1]

اور روایت کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حج کے دوران میں) ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا: شبرمہ کی جانب سے لبیک، نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (اس سے) پوچھا: یہ شبرمہ کون ہے؟

اس نے جواب دیا: میرا بھائی یا (کہا کہ) میرا اقربیی رشتہ دار[۲]، نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (اس سے) پھر پوچھا: کیا تم نے اپنی جانب سے حج ادا کر لیا ہے؟ اس نے عرض کیا: جی نہیں، نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: پہلے اپنی جانب سے حج ادا کرو، پھر شبرمہ کی جانب سے حج ادا کرو۔

حواشی کی توضیح

۱۔ تمام احکام عبادت، خواہ وہ پنج وقتہ نماز ہو، روزے ہوں، صدقہ ہو یا حج کی ادائیگی، انھیں تمام اقسام کی عبادات، خواہ وہ نفلی ہوں یا نذر کی، سب پر ترجیح حاصل ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درج بالا روایت میں واضح فرمادیا ہے۔

۲۔ یہ بات بدیہی طور پر واضح ہے کہ کسی بھی نوعیت کی فرض عبادت کا حکم ایک شخص سے دوسرے شخص پر عائد نہیں ہو سکتا۔ روایت سے واضح ہے کہ وہ شخص اپنے بھائی کی نذر پوری کرنے کے لیے حج ادا کر رہا تھا، جب کہ اس کا بھائی اپنی نذر پوری کرنے سے پہلے ہی وفات پا چکا تھا یا وہ ایسا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا۔ امام بیہقی کی روایت کردہ ایک روایت اس نکتے کی بہ خوبی وضاحت کرتی ہے۔ بیہقی، رقم ۹۶۳۵ کے مطابق، وہ شخص اپنے بھائی کی نذر پوری کرنے کے لیے حج ادا کر رہا تھا جو اس نے مانی ہوئی تھی اور اس کے بھائی نے اس شخص کو اپنی جانب سے پوری کرنے کے لیے وصیت کی تھی۔ روایت درج ذیل ہے:

أن عبد الله بن عباس مر به رجل يهل يقول: لبيك بحجة عن شبرمة، فقال: ومن شبرمة؟ قال: أوصى أن يحج عنه، فقال: احججت أنت؟ قال: لا، قال: فابدأ أنت فاحجج عن نفسک ثم احجج عن شبرمة.

”حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) ایک شخص کے پاس سے گزرے جو حج ادا کر رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا: شبرمہ کے حج کے لیے لبیک، حضرت ابن عباس نے اس سے پوچھا: یہ شبرمہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا: شبرمہ نے مجھے اپنی جانب سے حج ادا کرنے کی وصیت کی تھی، حضرت ابن عباس نے پوچھا: کیا تم نے اپنا حج ادا کر لیا ہے؟ اس نے کہا: جی نہیں، انھوں نے کہا: پہلے اپنی جانب سے حج ادا کرو، پھر شبرمہ کی جانب سے ادا کرو۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متون

پہلی روایت

السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۸۴۶۵ میں روایت کی گئی ہے۔

دوسری روایت

بعض اختلافات کے ساتھ دوسری روایت ابوداؤد، رقم ۱۸۱۱؛ ابن ماجہ، رقم ۲۹۰۳؛ بیہقی، رقم ۸۴۵۸-۸۴۶۷، ۹۶۳۵؛ ابن خزیمہ، رقم ۳۰۳۹؛ ابویعلیٰ، رقم ۲۴۴۰، ۲۶۱۱؛ دارقطنی، رقم ۱۴۵-۱۴۷ اور ابن ابی شیبہ، رقم ۱۳۳۷۰ میں روایت کی گئی ہے۔

بیہقی، رقم ۸۴۶۱ میں '... سمع رجلًا يقول: لبيك عن شبرمة' (...ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا: شبرمہ کی جانب سے لبیک) کے الفاظ کے بجاے 'رأى رجل يلبي عن رجل' (دیکھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کی جانب سے لبیک کہہ رہا ہے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۲۹۰۳ میں 'أحججت أنت؟' (کیا تم نے اپنا حج ادا کر لیا ہے؟) کے الفاظ کے بجاے ان کے مترادف الفاظ 'هل حججت أنت' (کیا تم نے اپنا حج ادا کر لیا ہے؟) روایت کیے گئے ہیں؛ ابن خزیمہ، رقم ۳۰۳۹ میں ان کے مترادف الفاظ 'هل حججت؟' (کیا تم نے حج ادا کر لیا ہے؟) روایت کیے گئے ہیں؛ بیہقی، رقم ۸۴۵۸ میں یہ الفاظ 'أحججت قط؟' (کیا تم نے کبھی حج ادا کیا ہے؟) روایت کیے گئے ہیں؛ بیہقی، رقم ۸۴۵۹ میں ان کے مترادف الفاظ 'حججت قط؟' (کیا تم نے کبھی حج ادا کیا ہے؟) روایت کیے گئے ہیں؛ بیہقی، رقم ۸۴۶۱ میں یہ الفاظ 'لبيت عن نفسك؟' (کیا تم نے اپنی جانب سے لبیک کہا ہے؟) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۲۹۰۳ میں 'فابدأ أنت فاحجج عن نفسك' (پہلے اپنی جانب سے حج ادا کرو) کے الفاظ کے بجاے 'فاجعل هذه عن نفسك' (پھر یہ حج اپنی جانب سے ادا کرو) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن خزیمہ، رقم ۳۰۳۹ میں ان کے مترادف الفاظ 'فاحعل هذه عنك' (پھر یہ حج اپنی جانب سے ادا کرو) روایت کیے گئے ہیں؛ بیہقی، رقم ۸۴۵۸ میں یہ الفاظ 'حج عن نفسك' (اپنی

جانب سے حج ادا کرو) روایت کیے گئے ہیں؛ ابو یعلیٰ، رقم ۲۴۴۰ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'فاحجج عن نفسك' (پھر اپنی جانب سے حج ادا کرو) روایت کیے گئے ہیں؛ بیہقی، رقم ۸۴۶۳ میں یہ الفاظ 'فهذه عنك' (پھر یہ تمھاری طرف سے ہے) روایت کیے گئے ہیں؛ بیہقی، رقم ۸۴۶۱ میں یہ الفاظ 'فلب عن نفسك' (پھر اپنی طرف سے لبیک کہو) روایت کیے گئے ہیں؛ بیہقی، رقم ۸۴۶۲ میں ان الفاظ کے متبادل الفاظ 'عن نفسك فلب' (پھر اپنی طرف سے لبیک کہو) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ابو یعلیٰ، رقم ۴۶۱۱ میں 'ثم حج عن شبرمة' (پھر شبرمہ کی جانب سے حج ادا کرو) کے الفاظ کے بجاے ان کے ہم معنی الفاظ 'ثم احجج عن شبرمة' (پھر شبرمہ کی جانب سے حج ادا کرو) روایت کیے گئے ہیں؛ بیہقی، رقم ۸۴۶۱ میں یہ الفاظ 'ثم لب عن فلان' (پھر فلاں شخص کی طرف سے لبیک کہو) روایت کیے گئے ہیں؛ بیہقی، رقم ۸۴۶۳ میں یہ الفاظ 'وحج عن شبرمة' (اور شبرمہ کی جانب سے حج ادا کرو) روایت کیے گئے ہیں۔

بیہقی، رقم ۸۴۶۰ میں یہ واقعہ درج ذیل پیرا ئے میں روایت کیا گیا ہے:

روي أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلًا يقول: لبيك عن فلان. فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: «إن كنت حججت فلب عنه وإلا فاحجج عن نفسك، ثم احجج عنه».

''روایت کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حج کے دوران میں) ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا: فلاں کی جانب سے لبیک، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: اگر تم نے اپنا حج ادا کر لیا ہے تو اس کی جانب سے لبیک کہو، ورنہ پہلے اپنا حج ادا کرو، پھر اس کی جانب سے حج ادا کرو۔''

بعض روایات، مثلاً بیہقی، رقم ۸۴۶۶ میں یہ روایت مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے:

روي أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلًا يلبي عن نبيشة، فقال: «أيها الملبي عن نبيشة، هذه عن نبيشة واحجج عن نفسك».

''روایت کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نبیشہ کی جانب سے لبیک کہتے ہوئے سنا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: اے نبیشہ کی جانب سے لبیک کہنے والے، یہ حج نبیشہ کی جانب سے ہے، اپنی جانب سے بھی حج ادا کرو۔''

یہ روایت دار قطنی، رقم ۱۴۵-۱۴۷ میں بھی روایت کی گئی ہے۔ تاہم یہ سب روایات بہ شمول اوپر مذکورہ بیہقی، رقم ۸۴۶۶ الحسن بن عمارہ کے ذریعے سے روایت کی گئی ہیں۔ ان روایات کو درج کرنے کے بعد امام دار قطنی نے درج ذیل الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

تفرد به الحسن بن عمارة وهو متروك الحديث، والمحفوظ عن بن عباس حديث شبرمة.

”یہ روایت صرف الحسن بن عمارہ کی سند سے روایت کی گئی ہے، جو کہ متروک الحدیث ہے۔ اس سے متعلق جو محفوظ شبرمہ کی حدیث ہے، وہ حضرت ابن عباس کے واسطے سے ہے۔“

چونکہ اس روایت کے متعلق امام دار قطنی کی رائے منفی ہے، اس لیے احتیاط کے پیش نظر اس روایت کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا درست نہیں ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مقالات

ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر

قرآن مجید میں اختلاط مرد وزن کے احکام

مختلف تعبیرات کی تفہیم اور تجزیہ

(۳)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آیت حجاب کے احکام

سورۂ احزاب (۳۳) کی آیت ۵۳ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے متعلق اہل ایمان کو خاص ہدایات دی گئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ

”ایمان والو، تم نبی کے گھروں میں مت جایا کرو، الاّ یہ کہ تم کو کسی کھانے پر آنے کی اجازت دی جائے۔ اِس طرح کہ اُس کی تیاری کے منتظر نہ رہو، بلکہ جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو، پھر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہو۔ اِس سے پیغمبر کو اذیت ہوتی ہے، مگر وہ تمھارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ اور تمھیں جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا.

یہ تمھارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور اُن کے دلوں کے لیے بھی۔ تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ اُس کے بعد تم اُس کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی سنگین بات ہے۔“

اس آیت کو احادیث اور تفسیری لٹریچر میں آیت حجاب کا عنوان دیا جاتا ہے۔ شان نزول کی روایات میں بیان ہوا ہے کہ یہ ہدایت اس موقع پر نازل ہوئی جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بعد کچھ لوگ جو ولیمے کے کھانے کے لیے مدعو تھے، آپ کے حجرے میں بلاضرورت دیر تک خوش گپیوں میں مصروف رہے اور یہ احساس نہیں کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل خانہ کو اس سے زحمت ہو رہی ہے (بخاری، رقم ۴۵۱۳)۔

اس تناظر میں آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جانے اور ٹھیرنے کے آداب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ایک خاص پابندی یہ عائد کی گئی ہے کہ ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگنی ہو یا کوئی بات پوچھنی ہو تو لوگ ان کے گھروں میں داخل ہو کر روبرو نہ مانگیں، بلکہ باہر کھڑے رہ کر پردے کی اوٹ سے بات کریں۔ فرمایا ہے کہ آپ کی ازواج کے ساتھ غیر مردوں کا میل جول اور اختلاط اللہ کے رسول کے لیے اذیت کا موجب ہو سکتا ہے، جس سے مسلمانوں کو گریز کرنا چاہیے۔ پھر اسی بنیاد پر آپ کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرنے کو عام مسلمانوں کے لیے ممنوع ٹھیرایا گیا اور اسے اللہ کے ہاں ایک نہایت سنگین بات قرار دیا گیا ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات پر حجاب کی پابندی کے لیے بعض صحابہ، مثلاً سیدنا عمر کی طرف سے پہلے سے ایک خواہش اور اصرار موجود تھا، جس کا محرک یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی خاص حیثیت کے تناظر میں ان کے متعلق تقدس واحترام کو یقینی بنایا جائے۔ چنانچہ سیدنا عمر ازواج مطہرات کو اس کی تلقین کرنے کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی گزارش کرتے رہتے تھے کہ ہر شخص کو آپ کی ازواج کے ساتھ میل ملاقات اور ان تک رسائی کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ اس ہدایت کے نزول کے بعد ازواج مطہرات کو بھی اس کا پابند کر دیا گیا کہ وہ بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں اور اگر نکلنا پڑے تو اپنے پورے

www.javedahmedghamidi.com www.al-mawrid.org

جسم کو اس طرح چھپا کر نکلیں کہ کسی غیر محرم کی ان پر نظر نہ پڑ سکے۔

صحیح بخاری میں سیدنا انس روایت کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ:

يا رسول الله، يدخل عليك البر والفاجر فلو أمرت أمهات المومنين بالحجاب، فأنزل الله آية الحجاب. (رقم ۴۷۹۰)

”یارسول اللہ، آپ کے پاس نیک اور بد ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، بہتر ہے کہ آپ امہات المومنین کو پردے میں رہنے کی ہدایت فرما دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیت نازل کر دی۔“

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

فقال عمر: يا رسول الله، لو اتخذت حجابًا، فإنّ نساءك لسن كسائر النساء، وذالك أطهر لقلوبهن، فأنزل الله: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ﴾. (طبرانی، المعجم الاوسط، رقم ۵۶۵۸۔ الدر المنثور ۱۲/ ۱۰۷۔ فتح الباری ۱۰/ ۱۵۰)

”سیدنا عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کو حجاب کی پابندی لگانی چاہیے، کیونکہ آپ کی بیویاں عام خواتین کی طرح نہیں ہیں اور یہ ازواج کے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزہ ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی کہ ”اے ایمان والو، پیغمبر کے گھروں میں مت داخل ہوا کرو“۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أمر عمر نساء النبي صلى الله عليه وسلم بالحجاب فقالت زينب: يابن الخطاب، إنک لتغار علينا والوحي ينزل في بيوتنا فأنزل الله: ﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾. (تفسیر الطبری ۱۹/ ۱۶۵)

”سیدنا عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو حجاب کرنے کو کہا تو سیدہ زینب نے کہا کہ اے ابن الخطاب، وحی ہمارے گھر میں اترتی ہے اور ہم پر غیرت تم کھا رہے ہو؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کر دیا کہ ”جب تمھیں نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے رہ کر مانگا کرو“۔“

عامر شعبی کی روایت ہے:

قال: مرّ عمر على نساء النبي صلّى الله عليه وسلم وهو مع النساء في

”سیدنا عمر کا گزر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس سے ہوا جو دیگر خواتین کے ساتھ مسجد میں

المسجد فقال لهنّ: احتجبن فإنّ لكنّ على النساء فضلًا، كما أنّ لزوجكنّ على الرجال الفضل، فلم يلبثوا إلّا يسيرًا حتى أنزل الله آية الحجاب.

(تفسیر الثعلبی ۸/۵۹)

تھیں۔ عمر نے ان سے کہا کہ آپ لوگ حجاب میں رہا کریں، کیونکہ آپ کا درجہ عام خواتین سے بڑھ کر ہے، ایسے ہی جیسے آپ کے شوہر کا درجہ عام مردوں سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل کر دی۔''

حافظ ابن حجر شان نزول سے متعلق مختلف روایات کا حاصل یوں بیان کرتے ہیں:

والحاصل أن عمر وقع في قلبه نَفْرة من اطّلاع الأجانب على الحريم النبويّ حتى صَرَّح بقوله له ﷺ: «احْجُب نساءك»، وأَكَّد ذالك إلى أن نزلت آية الحجاب، ثم قَصَد بعد ذالك أن لا يُبدين أشخاصهنّ أصلًا ولو كنّ مستترات، فبالغ في ذالك، فمنع منه، وأَذِن لهنّ في الخروج لحاجتهن دفعًا للمشقّة ورفعًا للحرج.

(فتح الباری ۱۰/۵۱۳)

''حاصل یہ ہے کہ سیدنا عمر کے دل میں اس بات سے نفرت پیدا ہوئی کہ غیر محرم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو دیکھا کریں، یہاں تک کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح طور پر گزارش کی کہ آپ اپنی بیویوں کو حجاب میں رکھا کریں۔ عمر اس پر اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ آیت حجاب نازل ہو گئی۔ پھر اس کے بعد سیدنا عمر مزید یہ چاہتے تھے کہ امہات المومنین خود کو بالکل لوگوں کے سامنے بھی نہ لایا کریں، چاہے ان کا پورا جسم ڈھکا ہوا ہو، (یعنی گھروں سے باہر ہی نہ نکلا کریں)۔ عمر نے اس میں بہت زیادہ سختی کرنا چاہی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کر دیا اور دفع مشقت اور رفع حرج کے پہلو سے ازواج کو اجازت دی کہ وہ اپنی ضروریات کے لیے باہر نکل سکتی ہیں۔''

امہات المومنین کی امتیازی علامت

اس پس منظر میں عہد نبوی اور عہد صحابہ و تابعین میں حجاب کو امہات المومنین سے متعلق ایک خصوصی

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حکم سمجھا جاتا تھا، اور صحابہ وتابعین حجاب، یعنی غیر مردوں کی نگاہوں سے اوجھل رہنے کی پابندی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی ایک خصوصی اور امتیازی علامت کے طور پر کرتے تھے۔

یہ روایات مختلف نوعیت کی ہیں اور انھیں نوعیت کے اعتبار سے حسب ذیل تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلی قسم کی روایات وہ ہیں جن میں حجاب کو کسی خاتون کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کی ایک لازمی شرط کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ حسب ذیل ہیں:

بنو قریظہ کے واقعے کے بعد ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نکاح کی پیش کش کی۔ روایات اس باب میں مختلف ہیں کہ انھوں نے آپ کی پیش کش کا کیا جواب دیا، تاہم روایات اس پر متفق ہیں کہ ان کو نکاح کی پیش کش حجاب کے لازم کیے جانے کے ساتھ مشروط تھی۔

ابن اسحٰق کی روایت ہے:

وعرض عليها أن يعتقها ويتزوجها ويضرب عليها الحجاب، فقالت: يا رسول الله، بل تتركني في ملكي فهو أخف علي وعليك. (ابن حجر، الاصابہ ۸/۱۴۶)

”آپ نے انھیں آزاد کر کے نکاح کرنے کی پیش کش کی اور یہ کہ اس صورت میں ان پر حجاب کا حکم لاگو کیا جائے گا، لیکن ریحانہ نے کہا کہ یا رسول اللہ، آپ بس مجھے اپنی ملکیت میں رہنے دیں، (یعنی نکاح نہ کریں)۔ اس سے آپ کو بھی آسانی رہے گی اور مجھے بھی، (یعنی میں حجاب کی پابندی سے آزاد رہوں گی)۔“

اس کے برخلاف محمد بن کعب کی روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ آپ کی پیش کش کو قبول کرتے ہوئے آپ کی زوجیت میں آ گئیں:

فخيرها رسول الله ﷺ، فاختارت الإسلام، فأعتقها وتزوجها وضرب عليها الحجاب. (الاصابہ ۸/۱۴۶)

”آپ نے ان کو اختیار دیا اور انھوں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور ان پر حجاب لازم کر دیا۔“

ایک روایت کے مطابق خود سیدہ ریحانہ اپنے متعلق یہ بیان کرتی تھیں کہ:

وكان يقسم لي كما كان يقسم لنسائه،

”آپ نے اپنی دوسری بیویوں کی طرح میرے

وضرب علي الحجاب.

”۔۔۔ لیے بھی باری کا دن مقرر کیا اور مجھ پر حجاب لازم کیا گیا۔“

(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۸/ ۱۳۰)

اسی طرح جب غزوۂ خیبر سے واپسی پر راستے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے چن لیا تو مسلمانوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ آپ انھیں کس حیثیت سے اپنے پاس رکھیں گے؟ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

فقال المسلمون: إحدى أمهات المومنين أو ما ملكت يمينه؟ قالوا: فإن حجبها فهي إحدى أمهات المومنين وإن لم يحجبها فهي مما ملكت يمينه، فلما ارتحل وطالها خلفه ومد الحجاب.

(بخاری، رقم ۴۲۱۳)

”مسلمانوں نے کہا کہ یہ امہات المومنین میں سے ایک ہیں یا آپ کی باندی؟ لوگوں نے کہا کہ اگر آپ نے ان پر حجاب عائد کیا تو وہ امہات المومنین میں سے ہوں گی، ورنہ آپ کی باندی۔ جب آپ کوچ کرنے لگے تو آپ نے صفیہ کے بیٹھنے کے لیے اپنی سواری کے پیچھے جگہ بنائی اور حجاب لٹکا دیا۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا ایک اور واقعہ بنو کندہ کی خاتون اسماء بنت نعمان کے حوالے سے روایات میں بیان ہوا ہے۔ ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمایندے کے طور پر اسماء بنت نعمان کو، جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تھا، ان کے گھر سے لینے کے لیے گئے تو اسماء نے انھیں اپنے پاس طلب کیا، لیکن ابو اسید نے ان سے کہا:

أن نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يراهن أحد من الرجال، قال أبو أسيد: وذالک بعد أن نزل الحجاب.

(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۸/ ۱۱۴)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو کوئی دوسرا مرد نہیں دیکھ سکتا۔ ابو اسید کہتے ہیں کہ یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا تھا۔“

دوسری نوعیت کی روایات وہ ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ وتابعین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں موجود مختلف خواتین کے ساتھ آپ کے رشتے کی نوعیت متعین کرنے کے لیے حجاب کی پابندی سے استدلال کیا۔ یہ روایات درج ذیل ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض ازواج کے متعلق صحابہ میں اس حوالے سے سوال پیدا ہوا کہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کس حیثیت میں اپنے پاس رکھا تھا؟ تو ان کی ازدواجی حیثیت کی تعیین کے لیے بھی اکابر صحابہ نے ان کے لیے باری کا دن مقرر کیے جانے کے علاوہ حجاب لازم کیے جانے کا حوالہ دیا۔

سیدنا عمر اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے سیدہ صفیہ کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ضرب عليها الحجاب فكان يقسم لها كما يقسم لنسائه. (الطبقات الکبریٰ ۸/۱۰۱)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حجاب لازم کیا اور ان کے لیے اسی طرح باری مقرر کی تھی، جیسے باقی بیویوں کے لیے کی تھی۔“

اسی طرح سیدہ جویریہ کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے سیدنا عمر نے فرمایا کہ:

أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ضرب على جويرية الحجاب، وكان يقسم لها كما يقسم لنسائه. (المستدرک علی الصحیحین، رقم ۶۸۸۱)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ جویریہ پر حجاب لازم کیا اور ان کے لیے دن گزارنے کی باری بھی مقرر کی تھی، جیسے باقی ازواج کے لیے کی تھی۔“

تابعین کے آثار میں بھی حجاب کا ذکر اسی پہلو سے ملتا ہے۔ چنانچہ عہد تابعین میں ارباب سیرت میں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اختلاف ہوا کہ وہ کس حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں۔ اس تناظر میں امام زہری نے کہا:

كانت جويرية من أزواج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وكان قد ضرب عليها الحجاب وكان يقسم لها كما يقسم لنسائه. (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۸/۹۴)

”وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ آپ نے ان پر حجاب لازم کیا تھا اور دوسری ازواج کی طرح ان کے لیے بھی باری کا دن مقرر فرمایا تھا۔“

عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ امام زہری نے کہا:

ضرب على صفية وجويرية الحجاب وقسم لهما النبي ﷺ كما قسم لنسائه. (مصنف عبدالرزاق، رقم ۱۴۱۴۹)

”سیدہ صفیہ اور سیدہ جویریہ پر حجاب لازم کیا گیا اور ان دونوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی ازواج کی طرح باری مقرر کی۔“

مقریزی نے سیدہ جویریہ کی ازدواجی حیثیت سے متعلق روایات کی تنقیح کا نتیجہ یوں بیان کیا ہے:

وأثبت الأقوال: أن النبي ﷺ قضى عنها كتابتها وأعتقها وتزوجها، وضرب عليها

الحجاب، وقسم لها كما يقسم لنسائه.(امتاع الاسماع ۶/۸۵)

اسی طرح ابو سعید بن وہب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے سیدہ ریحانہ کی حیثیت واضح کرتے ہوئے کہا:

وكانت من نسائه يقسم لها كما يقسم لنسائه، وضرب رسول الله عليها الحجاب.(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۸/۹۴)

''وہ آپ کی ازواج میں سے تھیں۔ آپ دوسری ازواج کی طرح انھیں بھی باری کا دن دیا کرتے تھے اور آپ نے ان پر حجاب بھی لازم کیا تھا۔''

تیسری نوعیت کی روایات وہ ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ نے بعض ایسی خواتین کے شرعی احکام طے کرنے کے لیے جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے بعد رخصتی سے قبل علیحدگی اختیار کر لی تھی، اس نکتے کو بنیاد بنایا کہ ان پر حجاب کی پابندی لازم نہیں کی گئی تھی۔

امام ماوردی رحمہ اللہ کے استقصا کے مطابق یہ حسب ذیل آٹھ خواتین تھیں:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۔ اسماء بنت النعمان

۲۔ لیلیٰ بنت الحطیم

۳۔ عمرہ بنت یزید

۴۔ عالیہ بنت ظبیان

۵۔ فاطمہ بنت ضحاک

۶۔ قتیلہ بنت قیس

۷۔ ملیکہ بنت کعب

۸۔ بنو عفان کی ایک خاتون

ماوردی کے بیان کے مطابق ان میں سے تین، یعنی عمرہ بنت یزید، عالیہ بنت ظبیان اور فاطمہ بنت ضحاک کی رخصتی ہوئی اور بعد میں آپ نے ان کو طلاق دے دی، جب کہ باقی پانچ سے آپ نے مختلف اسباب سے رخصتی سے قبل ہی علیحدگی اختیار فرما لی (ماوردی، الحاوی الکبیر ۲۸/۹)۔

عہد صحابہ میں جب ان میں سے بعض خواتین نے نکاح کرنا چاہا تو بعض صحابہ نے اس بنیاد پر اس پر اعتراض کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منکوحہ ہونے کی وجہ سے آپ کے بعد کوئی نکاح نہیں کر سکتیں، تاہم یہ معلوم

ہونے پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حجاب کی پابندی لازم نہیں کی تھی، جو کہ امہات المومنین کے لیے ایک خصوصی حکم تھا، ان کے نکاح کے فیصلے کو جائز تسلیم کر لیا گیا۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اسماء بنت نعمان رضی اللہ عنہا سے ہوا، لیکن رخصتی سے قبل علیحدگی ہو گئی۔ آپ کی وفات کے بعد اسماء نے مہاجر بن ابی امیہ سے نکاح کر لیا تو سیدنا عمر نے اس پر انھیں سزا دینا چاہی، (کیونکہ امہات المومنین کے لیے کسی اور سے نکاح کرنا ممنوع تھا)۔ اس پر اسماء بنت نعمان نے یہ دلیل پیش کی:

و اللہ ما ضرب علي الحجاب ولا سميت بأم المومنين.

(المستدرک علی الصحیحین، رقم ۶۹۱۷)

''بخدا، نہ تو مجھ پر حجاب کا حکم نافذ کیا گیا اور نہ مجھے ام المومنین قرار دیا گیا۔''

اسماء نے کہا کہ:

اتق اللّٰه يا عمر، إن كنت من أمهات المؤمنين فاضرب علي الحجاب وأعطني ما أعطيتهن. (طبرانی، المعجم الکبیر، رقم ۱۷۷۱۴)

''اے عمر، اللہ سے ڈرو۔ اگر میں امہات المومنین میں سے ہوں تو مجھ پر حجاب بھی لازم کرو اور (بیت المال سے) جو وظیفہ ان کو دیتے ہو، مجھے بھی دو۔''

مراد یہ تھی کہ چونکہ رخصتی سے قبل ہی علیحدگی ہو گئی تھی، اس لیے مجھ پر امہات المومنین کے مخصوص شرعی احکام لاگو نہیں ہوتے۔ چنانچہ سیدنا عمر نے انھیں سزا دینے کا فیصلہ واپس لے لیا۔

اسی طرح قتیلہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بالکل آخری دنوں میں ہوا، لیکن رخصتی سے قبل آپ کا انتقال ہو گیا۔ بعد میں عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا یہ جی چاہتا ہے کہ ان دونوں کو ان کے گھر سمیت جلا دوں، لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

ما هي من امهات المومنين ولا دخل بها النبي صلى الله عليه وسلم ولا ضرب عليها الحجاب.

(المستدرک علی الصحیحین، رقم ۶۹۱۸)

''وہ امہات المومنین میں سے نہیں ہے۔ نہ اس کی رخصتی ہوئی اور نہ اس پر حجاب عائد کیا گیا۔''

شعبی کی روایت میں ہے کہ سیدنا عمر نے کہا:

يا خليفة رسول الله، أنها ليست من نسائه أنها لم يخيرها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يحجبها وقد براها منه بالردة التي ارتدت مع قومها فاطمأن أبوبكر وسكن. (تفسیر الطبری ۱۴/۲۲)

”اے خلیفۂ رسول، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں شمار نہیں ہوتیں۔ آپ نے نہ تو ان کو علیحدگی کا اختیار دیا اور نہ ان پر حجاب کو لازم کیا۔ پھر اپنی قوم کے ساتھ مرتد ہو جانے کی وجہ سے بھی اللہ نے اس کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل ختم کر دیا ہے (اس لیے اس پر امہات المومنین کے احکام لاگو نہیں ہوتے)۔ اس پر ابو بکر مطمئن ہو گئے اور ان کا غصہ فرو ہو گیا۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سنن ابی داؤد کے شارح شہاب الدین ابن رسلان المقدسی (وفات ۸۴۴ھ) ان واقعات کی روشنی میں فقہی حکم کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ:

واعلم أن التي لم يدخل بها النبي ﷺ، ولم يضرب عليها الحجاب، لا يكون لها حكم زوجات النبي ﷺ في تحريم النكاح على الغير، كما روي أنه تزوج بهذه المهاجر بن أبي أمية، فأراد عمر معاقبتها، فقالت: ما ضرب علي الحجاب، ولا سميت أم المؤمنين. فكف عنها. (شرح سنن ابی داؤد ۷۱/۸)

”جان لو کہ جن خواتین سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم بستری نہیں کی اور نہ ان پر حجاب لازم کیا، ان کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کا نہیں ہے، جس پر کسی دوسرے مرد سے نکاح حرام ہو۔ چنانچہ روایت ہے کہ اس خاتون کے ساتھ مہاجر بن ابی امیہ نے نکاح کیا اور سیدنا عمر نے اس کو سزا دینا چاہی تو خاتون نے کہا کہ نہ مجھ پر حجاب لازم کیا گیا اور نہ مجھے ام المومنین قرار دیا گیا۔ اس پر سیدنا عمر اس کو سزا دینے سے رک گئے۔“

مذکورہ تمام شواہد بہت وضاحت کے ساتھ یہ بتا دیتے ہیں کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ وتابعین میں حجاب کی امتیازی وخصوصی حیثیت اہل علم پر بالکل واضح تھی اور امہات المومنین کے علاوہ عام مسلمان خواتین کے ساتھ اس پابندی کے غیر متعلق ہونے کے حوالے سے کوئی ابہام نہیں پایا جاتا تھا۔

فرضیت حجاب سے پہلے کے واقعات کی نشان دہی

حدیث و سیرت کے ذخیرے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ایسے واقعات بیان کرتے ہوئے جن میں ازواج مطہرات کے کسی غیر محرم کے ساتھ گفتگو کرنے یا کسی مخلوط ماحول میں موجود ہونے کا ذکر ہو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عموماً یہ واضح کرنے کا اہتمام کرتے تھے کہ یہ واقعہ ان پر حجاب کی پابندی عائد کیے جانے سے پہلے کا ہے، تاہم عام خواتین کے حوالے سے اس بات کی وضاحت کی مثالیں نہیں ملتیں۔

اس نوعیت کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ ہجرت مدینہ کے بعد بہت سے مہاجرین مدینہ کی آب و ہوا کی وجہ سے شدید بخار میں مبتلا ہو گئے تھے۔ سیدہ عائشہ بیان کرتی ہیں کہ سیدنا ابو بکر اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ اور بلال ایک ہی مکان میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ کہتی ہیں کہ:

فأصابتهم الْحمى، فدخلت عليْهمْ أعودهمْ. وذالك قبْل أن يضرب علينا الحجاب.(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۲/۱۶۹)

”وہ سب بخار میں مبتلا ہو گئے تو میں ان کی عیادت کے لیے ان کے پاس گئی۔ یہ ہم پر حجاب لازم کیے جانے سے پہلے کی بات ہے۔“

۲۔ عبد الرحمٰن بن اسعد بن زرارہ جنگ بدر کے قیدیوں کے مدینہ لائے جانے کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:

قدم بالأسارى حين قدم بهم وسودة بنت زمعة عند آل عفراء في مناحتهم على عوْف ومُعوذ ابني عفراء، قال: وذالك قبل أن يضرب عليهن الحجاب. (سنن ابی داؤد، رقم ۲۶۸۰)

”قیدیوں کو مدینہ لایا گیا تو سیدہ سودہ بنت زمعہ اس وقت آل عفراء کے ہاں تھیں جو عوف اور معوذ پر نوحہ کر رہے تھے۔ عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ یہ حجاب کے لازم کیے جانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔“

۳۔ غزوۂ احد کے واقعات بیان کرتے ہوئے واقدی نے نقل کیا ہے کہ:

وكانت عائشة زوج النبي ﷺ خرجت في نسوة تستروح الخبر ولم يضرب الحجاب يومئذ.(المغازی ۱/۵۶۲)

”سیدہ عائشہ کچھ خواتین کے ساتھ اطلاعات حاصل کرنے کے لیے نکلیں اور اس وقت تک حجاب لازم نہیں کیا گیا تھا۔“

۴۔ غزوۂ خندق کے حالات بیان کرتے ہوئے سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ:

أنها كانت في حصن بني حارثة يوم الخندق فكانت أم سعد بن معاذ معها في الحصن وذالك قبل أن يضرب عليهن الحجاب. (بیہقی، السنن الکبریٰ، رقم ۱۳۵۲۹)

''وہ اس موقع پر بنو حارثہ کے قلعے میں تھیں اور سعد بن معاذ کی والدہ بھی ان کے ساتھ قلعے میں تھیں اور یہ ان پر حجاب کے لازم کیے جانے سے پہلے کی بات ہے۔''

۵۔ بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران میں ابولبابہ بن عبد المنذر نے بے احتیاطی سے بنو قریظہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی اطلاع ان کو دے دی تھی۔ اس پر انھوں نے خود کو مسجد نبوی میں ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہیں کرتے، میں یہیں بندھا رہوں گا۔ پھر جب ان کی توبہ قبول کیے جانے کی وحی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو سیدہ ام سلمہ نے آپ سے اجازت چاہی کہ جا کر خود ابولبابہ کو خوش خبری دیں۔ بیان کرتی ہیں کہ:

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

فقمت على باب حجرتي فقلت، وذالك قبل أن يضرب علينا الحجاب: يا أبا لبابة أبشر فقد تاب الله عليك. (بیہقی، السنن الکبریٰ ۱۴۹/۷)

''میں اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑی ہوئی اور میں نے پکارا کہ اے ابو لبابہ، اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ قبول کر لی ہے۔ اور یہ ہم پر حجاب لازم کیے جانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔''

۶۔ واقعۂ افک سے متعلق روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صفوان بن معطل السلمی کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ:

فأتاني فعرفني حين رآني. وقد كان يراني قبل أن يضرب الحجاب علي. فاستيقظت باسترجاعه حين عرفني. فخمرت وجهي بجلبابي. (مسلم، رقم ۷۰۲۰)

''وہ آئے اور مجھے دیکھ کر پہچان لیا اور وہ مجھ پر حجاب لازم کیے جانے سے پہلے مجھے دیکھ لیا کرتا تھا۔ جب اس نے مجھے پہچان لیا تو اس کے 'إنا للّٰه وإنا إليه راجعون' پڑھنے پر میں جاگ گئی اور میں نے اپنے چہرے کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا۔''

۷۔ عروہ بن زبیر، عیینہ بن حصن کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کا واقعہ یوں نقل کرتے ہیں:

دخل عيينة بن حصن على رسول الله

''عیینہ بن حصن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ﷺ وعنده عائشة وذالك قبل أن يضرب الحجاب.(بلاذری، انساب الاشراف ۱/۴۱۴)

کے پاس آیا۔ اس وقت وہاں سیدہ عائشہ بھی موجود تھیں اور یہ حجاب کے لازم کیے جانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔“

۸۔ عبد اللہ بن حسن روایت کرتے ہیں کہ ضحاک بن سفیان کلابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیعت اسلام کے لیے آئے:

ثم قال له: إنّي عندي امرأتان أحسن من هذه الحميراء أفلا أنزل لك عن إحداهما وعائشة جالسة تسمع، قبل أن يضرب الحجاب، فقالت: أهي أحسن، أم أنت؟(زبیر بن بکار، الفکاہۃ والمزاح ۷۰)

”ضحاک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرے نکاح میں دو بیویاں ہیں جو اس گوری سے (سیدہ عائشہ کی طرف اشارہ کیا) زیادہ خوب صورت ہیں۔ میں ان میں سے ایک کو چھوڑ دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کر لیں۔ سیدہ عائشہ بھی پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور بات چیت سن رہی تھیں۔ سیدہ نے کہا: یہ بتاؤ کہ وہ زیادہ خوب صورت ہے یا تم؟“

ضحاک خود بہت بد صورت تھے اور سیدہ نے اسی پر طنز کیا تھا۔ سیدہ کا یہ سوال سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔

۹۔ ابن شہاب زہری بیان کرتے ہیں:

قدم أصيل الغفاري على رسول الله ﷺ من مكة قبل أن يضرب الحجاب على أزواج رسول الله ﷺ فقالت له عائشة: كيف تركت مكة؟

(ابن حجر، الاصابہ ۱/۲۴۴)

”اصیل غفاری مکہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ اس وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر حجاب لازم نہیں کیا گیا تھا۔ عائشہ نے ان سے پوچھا کہ آپ مکہ کو کس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں؟“

۱۰۔ قیس بن طغفۃ غفاری اپنے والد سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے گھر لے گئے۔ کہتے ہیں:

فدخلنا على عائشة، وذالك قبل أن

”ہم سیدہ عائشہ کے حجرے میں داخل ہوئے اور

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

يضرب الحجاب، قال: أطعمينا يا عائشة.

(نسائی، السنن الکبریٰ، رقم ۶۵۸۵)

یہ حجاب کے لازم ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ، ہمیں کچھ کھلاؤ۔‘‘

مذکورہ تمام مثالوں میں راوی کی طرف سے اس وضاحت کا اہتمام کہ یہ واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہے، اسی پہلو سے تھا کہ سننے والے چونکہ امہات المومنین کے لیے حجاب کی پابندی سے واقف تھے، اس لیے اجنبی مردوں کے ساتھ ان کے محو کلام ہونے یا گھر سے باہر کسی دوسرے مقام پر موجود ہونے ممکنہ طور پر جو غلط فہمی یا ذہن میں جو سوال پیدا ہو سکتا ہے، اس کا جواب دے دیا جائے۔ ہمارے استقرا کی حد تک اس اہتمام کی کوئی مثال ذخیرۂ حدیث میں کسی عام خاتون کے حوالے سے نہیں ملتی اور اس فرق سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ حجاب کا امہات المومنین کے لیے ایک امتیازی اور خصوصی حکم ہونا عہد صحابہ میں ایک معلوم ومعروف بات تھی۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد بلال

حیات امین احسن

(۲)

باب ۲

''امینِ فراہی''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

امام فراہی کا سانحۂ ارتحال نومبر ۱۹۳۰ء کو ہوا۔ انتقال سے قبل متھرا کے ضلعی اسپتال وہ امین احسن کو یاد کر رہے تھے۔ امین احسن کو بلوایا گیا۔ وہ آئے۔ ابھی کمرے سے باہر ہی تھے کہ فراہی نے کہا:

''امین آ گئے۔''

امین احسن کہتے تھے کہ انھوں نے میرا نام اپنی زبان سے اس طرح ادا کیا کہ گویا نام نہیں لے رہے، اس کے معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اپنے علم و فکر کی امانت میرے سپرد کر رہے ہیں۔''

پھر اپنے ''امین'' کو اندر بلوایا۔ سینے سے لگایا۔

فراہی کے اس اضطراب سے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ شدت کے ساتھ اس انتظار میں تھے کہ اپنی علمی ''امانت'' اپنے ''امین'' کے حوالے کر کے دنیا سے رخصت ہوں۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ امین احسن نے اس امانت کو صحیح معنوں میں اس کے مستحقین تک پہنچایا۔ اسی لیے جاوید احمد صاحب غامدی نے لکھا ہے:

> ''... سقراط و فلاطون، ابو حنیفہ اور ابو یوسف، ابن تیمیہ اور ابن قیم یہ جس طرح ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے، فراہی و اصلاحی بھی، اس دنیا میں، اب ہمیشہ ایک ہی وجود کے دو نام رہیں گے:

چوں تمام افتد سراپا نازمی گردد نیاز
قیس را لیلیٰ ہمی نامند در صحرای من"

...وہ اپنے استاد سے آگے نہیں بڑھے تو پیچھے بھی نہیں رہے۔ حمید الدین جس مقام پر پہنچے تھے، ان کی ساری عمر اس کے اسرار ورموز کی وضاحت میں گزری ہے...۔

...[امین احسن کے صحافت ترک کر کے فراہی سے قرآن پڑھنے کا فیصلہ کرنے کے بعد] مولانا سید سلیمان ندوی نے کسی کالج میں پروفیسری کے لیے ان کا نام تجویز کیا اور کالج کے ذمہ داروں سے ہامی بھر لی کہ وہ انھیں راضی کر لیں گے۔ امین احسن کو بتایا گیا تو وہ چلچلاتی دھوپ میں پیدل چلتے ہوئے دار المصنفین پہنچے اور سید صاحب سے عرض کیا: آپ نے اس فقیر کا نام تجویز کیا، آپ کا شکریہ۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں یہ پیشکش قبول نہ کر سکوں گا۔ امام فراہی کو میں ان کی زندگی میں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ وہ بتاتے تھے کہ سید صاحب بالکل حیران رہ گئے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک غریب طالب علم اتنی بڑی پیشکش اس طرح ٹھکرا دے گا۔ بعد میں انھوں نے ندوہ میں تقریر کرتے ہوئے بڑے تاثر کے ساتھ اس واقعے کا ذکر کیا اور طلبہ سے کہا کہ دیکھو، طالب علم ایسے بھی ہوتے ہیں۔ بہر حال، میں یہ بات کہہ کر چلا آیا، لیکن مجھے اندیشہ رہا کہ استاذ امام ان دنوں اگر "دار المصنفین" آئے تو ہو سکتا ہے کہ سید صاحب ان سے بات کریں اور وہ مجھے بھیج دینے کا وعدہ کر لیں۔ ان کا چہرہ ایک عجیب احساس فخر سے تمتما اٹھتا تھا، جب وہ بتاتے تھے کہ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ استاذ امام وہاں گئے بھی اور سید صاحب نے ان سے بات بھی کی، لیکن انھوں نے صاف کہہ دیا: آپ امین احسن کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ میں یہ ساری محنت آخر کس کے لیے کر رہا ہوں؟"

(ماہنامہ "اشراق" جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۹)

علامہ سید سلیمان ندوی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"اواخر عمر میں مرحوم (مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ) کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ وہ چند مستعد طلبہ کو اپنے مزاج کے مطابق تیار کریں۔ چنانچہ کم از کم دو طالب علموں کی خاص طور سے انھوں نے دماغی تربیت کی۔" (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۷)

جناب ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

"مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے فخر و امتیاز کے لیے یہ کافی ہے کہ انھیں مولانا فراہی کی جانشینی کا شرف حاصل ہوا۔ اور وہی ان کے سب سے ممتاز شاگرد کی حیثیت سے مشہور ہوئے جس کا حق بھی انھوں

نے خاطر خواہ طور پر ادا کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ''بعض مستعد طلبہ نے مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس درس سے پورا فائدہ اٹھایا جن میں قابل ذکر مولوی امین احسن صاحب اصلاحی ہیں۔ ہماری آیندہ توقعات ان سے بہت کچھ وابستہ ہیں۔

اپنے استاد کا نام روشن کرنے اور ان کے افکار و نظریات کی اشاعت و ترجمانی کو انھوں نے اپنی زندگی کا مشن بنا لیا۔ جب کسی جانب سے مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی اعتراض ہوتا تو وہ ان کی حمایت کے لیے سینہ سپر ہو جاتے۔ ان کے اس قسم کے مضامین ''الاصلاح'' اور ''معارف'' دونوں میں چھپے ہیں۔ ایک زمانے میں ان کے استاد علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ الاستاد علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف غوغاے تکفیر بپا ہوا تو وہی ان مظلوم ''امامین ہمامین'' کی مدافعت اور ان کی یادگار مدرستہ الاصلاح کو شر پسندوں سے بچانے کے لیے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے:

بیا ورید گر ایں جا بود سخن دانے

غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد''[1]

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۷-۸)

''مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے اواخر قرآن کی بعض مختصر سورتوں کی تفسیر لکھی تھی۔ باقی سورتوں کے متعلق کچھ نوٹ اور متفرق اشارات ہی لکھ سکے تھے۔ ضرورت تھی اور عرصہ سے مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے قدر دانوں کا اصرار بھی تھا کہ ان کے اصول و متعینہ خطوط کے مطابق مکمل قرآن مجید کی تفسیر لکھی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام مولانا کے تلامذہ میں ان کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔ انھوں نے یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے کیا جو واقعتاً ان کا بڑا کارنامہ اور ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند کے مصداق ہے۔''

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۱۰)

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی (ڈاکٹر حفیظ اللہ ان کے ماموں ہیں) لکھتے ہیں:

''۱۹۵۸ء میں مولانا اختر احسن اصلاحی کی وفات کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی نہ صرف فکر فراہی کے امین، بلکہ اس کے سب سے بڑے شارح و ترجمان بھی رہے۔'' (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۱۶)

امین احسن کے شاگرد محترم سلیم کیانی لکھتے ہیں:

---

[1] ''آؤ، اے رگ جان، اگر یہاں کوئی سخن داں ہے تو اس غریب الوطن کے پاس بھی کہنے کو بہت کچھ ہے۔''

”راقم ۱۹۶۳ء میں مولانا کے قائم کردہ حلقۂ تدبر قرآن میں شامل ہوا تو اس وقت وہ عجلت میں دکھائی دیتے تھے۔ انھیں یقین نہیں تھا کہ کام کرنے کی کتنی مہلت باقی رہ گئی ہے۔ وہ اس بات سے فکر مند تھے کہ ان کے استاد امام نے جو امانت ان کے سپرد کی ہے کہیں وہ ہمیشہ کے لیے ضائع نہ ہو جائے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے: ”میری باتیں غور سے سن لیا کرو۔ بعد میں جگالی کرنے اور غور و فکر کرنے کے لیے تمھارے پاس کافی وقت ہو گا“۔“ (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۲۷)

”تدبر قرآن“ کے تعارف میں امین احسن لکھتے ہیں:

”میری چالیس سال کی محنتوں کے نتائج کے ساتھ ساتھ، اس میں میرے استاذ مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی ۳۰، ۳۵ سال کی کوششوں کے ثمرات بھی ہیں۔ مجھے بڑا فخر ہوتا اگر میں یہ دعویٰ کر سکتا کہ اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے، سب استاذ مرحوم ہی کا افادہ ہے، اس لیے کہ اصل حقیقت یہی ہے، لیکن میں یہ دعویٰ کرنے میں صرف اس لیے احتیاط کرتا ہوں کہ مبادا میری کوئی غلطی ان کی طرف منسوب ہو جائے۔ مولاناؒ سے میرے استفادے کی شکل یہ نہیں رہی کہ ہر آیت سے متعلق یقین کے ساتھ ان کی رائے میرے علم میں آ گئی ہو، بلکہ میں نے ان سے قرآن حکیم پر غور کرنے کے اصول سیکھے ہیں اور خود ان کی رہنمائی میں، پورے پانچ سال ان اصولوں کا تجربہ کرنے میں بسر کیے ہیں۔ پھر انھی اصولوں کو سامنے رکھ کر، آج تک کام کرتا رہا ہوں۔ اس اعتبار سے اگرچہ یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ یہ سب کچھ استاذؒ ہی کا فیض ہے، لیکن اس میں چونکہ بلاواسطہ افادے کے ساتھ ساتھ بالواسطہ افادے کا بھی بہت بڑا حصہ ہے، اس وجہ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اس کا جو حصہ مستحکم اور مدلل نظر آئے، اس کو استاذ مرحوم کا صدقہ سمجھیے اور جو بات کمزور یا غلط نظر آئے، اس کو میری کم علمی پر محمول فرمائیے۔“ (۴۱/۱)

فراہی کی تقلید

یہاں کسی کو غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شاید امین احسن، اپنے استاذ کے مقلد تھے۔ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اسی مقام پر اختصار کے ساتھ حقیقت واضح کر دی جائے۔ امین احسن ”تدبر قرآن“ کے تعارف میں خود لکھتے ہیں:

”قرآن سے باہر کی کسی چیز سے بھی کبھی میری کوئی خاص قلبی و ذہنی وابستگی نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی ہے تو قرآن ہی کے لیے اور قرآن ہی کے تحت ہوئی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والے محسوس کریں گے کہ جہاں کہیں مجھے اپنے استاذ سے بھی اختلاف ہوا ہے، میں نے بے جھجک اس کا بھی اظہار کر دیا ہے۔“ (۴۲)

امین احسن، فراہی کے ساتھ اپنی شاگردی کو ہمیشہ اپنا سرمایۂ حیات قرار دیتے تھے۔ جیسے ہی ان کے استاد کا ذکر ہوتا تو معلوم ہوتا خوش گوار یادوں کی بارات اتر آئی ہے۔ پھر وہ اپنی اس تدریس کے احوال کا ذکر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ کرتے تھے۔ جناب جاوید احمد صاحب غامدی لکھتے ہیں:

''فراہی کا ذکر جب ان کی زبان پر آتا تو آنکھوں میں ایک عجیب چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کلیم ذروۂ سینائے علم کی باتیں وہ گھنٹوں کرتے، مگر سیر نہ ہوتے تھے۔ بعض واقعات ایسے دل نواز اسلوب میں سناتے کہ معلوم ہوتا، کسی دیوتا کا ذکر کر رہے ہیں...۔

فراہی کے آخری زمانے میں ہندوستان کے ایک بڑے عالم نے ان کی کسی تحریر پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ اس سے پورے علاقے میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ مدرستہ الاصلاح کے طلبہ اور اساتذہ، سب پریشان تھے۔ میرے لیے بھی یہ ایک بڑا سانحہ تھا۔ اسی اضطراب اور پریشانی کے عالم میں فراہی کو ڈھونڈتا ہوا، ان کے دارالمطالعہ کی طرف بھاگا۔ میں نے دیکھا، استاذ امام سیڑھیوں پر کھڑے تھے۔ دوڑ کر وہیں انھیں بتایا۔ میں خود جس پریشانی میں تھا، ان سے بھی، اسی کے لحاظ سے، کسی ردعمل کی توقع کر رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے زینے پر رکے، پھر یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے: اچھا، یہ جن عالم کا تم ذکر کر رہے ہو، وہ تو مجھے نہیں جانتے۔ میں ہکا بکا انھیں دیکھتا کھڑا رہ گیا۔ اس فتوے پر اس سے زیادہ بلیغ کوئی تبصرہ شاید کبھی نہ ہو سکے۔ وہ بڑے والہانہ انداز میں کہتے: فراہی یہ تھے۔ اس شان کا کوئی شخص اب تم کہاں سے پیدا کرو گے؟''

(ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۱۷)

اس حقیقت کا اعتراف مولانا دریابادی نے بھی کیا۔ امین احسن نے ڈاکٹر شرف الدین کو بتایا:

''مولوی عبدالماجد دریابادی کہتے تھے کہ مولانا فراہی کے فکر کی ترجمانی کوئی اور کرتا ہے تو پڑھ کر وحشت ہوتی ہے۔ ان کے افکار کی ترجمانی کا حق صرف مولانا امین احسن اصلاحی کو ہے۔ وہی اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ مولوی صدرالدین اصلاحی نے کچھ لکھنا شروع کیا۔ ماجد صاحب نے اپنے صدق میں اس پر سخت نوٹ لکھا اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا جس کے بعد انھوں نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔'' (ذکر فراہی ۵۷۸)

اور جب امین احسن نے تفسیر ''تدبر قرآن'' مکمل کر کے اس امانت کا حق ادا کیا تو ان کے جذبات کا عالم کیا تھا؟ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

''تفسیر لکھنے میں صرف ہونے والی مدت، اپنی اور استاد کی مشترکہ مجموعی کاوش کے متعلق لکھتے ہیں:

''تفسیر تدبر قرآن پر میں نے اپنی زندگی کے پورے ۵۵ سال صرف کیے ہیں، جن میں ۲۳ سال صرف کتاب

کی تحریر و تسوید کے نذر ہوئے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ وہ مدت بھی ملا دی جائے جو استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے غور و تدبر پر صرف کی ہے اور جس کو میں نے اس کتاب میں سمونے کی کوشش کی ہے تو یہ کم و بیش ایک صدی کا قرآنی فکر ہے جو آپ کے سامنے تفسیر تدبر قرآن کی صورت میں آیا ہے۔ اگرچہ میں اپنے فکر کو حضرت الاستاذ علیہ الرحمۃ کے فکر کے ساتھ ملانا بے ادبی خیال کرتا ہوں، لیکن چونکہ واقعہ یہی ہے کہ میں نے عمر بھر استاذ کے سُر میں اپنا سُر ملانے کی کوشش کی ہے اور میرا فکر ان کے فکر کے قدرتی نتیجہ ہی کے طور پر ظہور میں آیا ہے، اس وجہ سے یہ جوڑ ملانے کی جسارت بھی کر رہا ہوں، اگر یہ بے ادبی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے۔...۔

''تدبر قرآن'' کو فراہی مکتب فکر کی نمایندہ تفسیر کہا جاتا ہے۔ تدبر قرآن لکھنے کے لیے امین احسن اصلاحی نے فراہی کی عربی تفسیر ''نظام القرآن'' کے مطبوعہ اجزا کے علاوہ تمام غیر مطبوعہ مسودات کی اصل کاپیاں دائرۂ حمیدیہ (انڈیا) سے منگوا لیں۔ قرآن مجید کے وہ نسخے منگوا لیے جو مولانا فراہی کے زیر مطالعہ رہے اور جن پر ان کے حواشی اور نوٹس ہیں۔ ان حواشی کی کیفیت یہ ہے کہ جن لوگوں نے ان کو الگ سے نقل کر رکھا ہے۔ اس کے مطابق وہ تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان تمام چیزوں کو اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر میں استعمال کیا۔ یہ تمام چیزیں دائرہ کی تحویل میں تھیں۔ اور دائرہ کی ملکیت تھیں۔ دائرہ کے قیام کا اولین مقصد ان غیر مطبوعہ باقیات کی حفاظت اور طباعت و اشاعت تھا۔ اس کام میں کوئی چاشنی نہ تھی۔ یہ ایک کڑوا گھونٹ تھا۔ اصلاحی صاحب کا کام مکمل ہو گیا تو یہ مسودات واپس گئے۔ مگر حواشی والے دونوں قرآن واپس کرنے سے امین احسن اصلاحی نے انکار کر دیا۔ واپسی کی کارروائی چونکہ میرے ذریعہ ہوئے اس لیے مجھے ان باتوں کا براہ راست علم ہے۔ فراہی کے ہاتھ کے عربی مسودات میں سے بھی کچھ چیزیں واپس نہیں گئیں۔ قرآن کے نسخے تو اصلاحی صاحب کے پاس ہیں، مگر مسودات کے گم شدہ حصوں کا کچھ پتا نہیں چلا۔ گم یا کم ہونے کا پتا اس لیے چلا کہ مولانا بدرالدین نے اپنے ہاتھ سے ان کی نقلیں تیار کر کے رکھ لی تھیں۔ بدرالدین اصلاحی کا بیان ہے کہ گم شدہ اوراق کے ترجمے، مولانا اصلاحی کے شاگرد خاص خالد مسعود کے قلم سے شائع ہوتے رہے''۔'' (ذکر فراہی ۵۷۹-۵۸۰)

باب ۳

دائرۂ حمیدیہ اور الاصلاح

۱۹۳۵ء میں امین احسن نے فراہی کی غیر مطبوعہ تصانیف کی ترتیب، تدوین اور اشاعت کے لیے مدرسۃ الاصلاح

میں ایک ادارہ ''دائرۂ حمیدیہ'' قائم کیا۔ (اس کے صدر فراہی کے معالج خاص ڈاکٹر حفیظ اللہ اور نائب صدر جناب ڈپٹی عبدالغنی انصاری انکم ٹیکس کمشنر ساکن جیگہاں مقرر ہوئے۔ علمی اور انتظامی امور کے لیے کوئی باقاعدہ عملہ نہیں رکھا گیا۔ مدرسے کے لوگ ہی اعزازی طور پر ساری خدمات انجام دیتے تھے) (ذکر فراہی ۵۷۴۔ سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۱۶)۔

اس کے زیر اہتمام جنوری ۱۹۳۶ء میں ایک اردو ماہنامہ ''الاصلاح'' کا اجرا ہوا۔ فراہی کا کام عربی زبان میں تھا۔ ''الاصلاح'' میں اس کے اردو تراجم شائع کیے گئے۔ مسودات کی ترتیب وتدوین کا کام اختر احسن اصلاحی کرتے اور اس کا ترجمہ اور رسالے کی ادارت امین احسن۔

اس کے علاوہ اس رسالے میں امین احسن کی اپنی تحقیقات بھی شائع ہوئیں، جو بعد میں ''حقیقت شرک''، ''حقیقت تقویٰ'' اور ''توضیحات'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔ اسی طرح فراہی کے تراجم ''مجموعۂ تفاسیر فراہی'' کے نام سے شائع ہوئے۔

ڈاکٹر ظفرالاسلام انصاری لکھتے ہیں:

> ''مجلہ ''الاصلاح'' قرآنیات کے ساتھ مخصوص تھا، علمی انداز وبلند معیار اس کا امتیاز تھا۔ اس کی مدت اشاعت محض چار سال (۱۹۳۶-۱۹۳۹ء) تک محدود رہی، لیکن اس مختصر مدت میں جو مضامین، مقالات و تبصرے اس میں شائع ہوئے وہ معیار و مواد کے اعتبار سے دینی و علمی لٹریچر کا ایک قیمتی سرمایہ کہے جا سکتے ہیں۔ اس کا اندازہ ۱۹۹۱ء میں ادارہ علوم القرآن (سر سید نگر، علی گڑھ) سے شائع شدہ کتاب ''قرآنی مقالات'' سے لگایا جا سکتا ہے جو ''الاصلاح'' کے منتخب قرآنی مقالات کا مجموعہ ہے۔ مزید برآں مولانا اصلاحی نے دائرۂ حمیدیہ کے تحت مولانا فراہی کی عربی مطبوعات: 'نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان' (۱۳ سورتوں کی تفسیر کا مجموعہ)، فاتحہ نظام القرآن، الامعان فی اقسام القرآن اور 'الرأی الصحیح فی من هو الذبیح' کو اردو میں منتقل کر کے اردو داں طبقہ کو قرآنیات کے ایک اہم ذخیرہ سے استفادہ کا موقع فراہم کیا۔''
>
> (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۱۷)

''الاصلاح'' کی اشاعت چار سال بعد ۱۹۳۹ء کے آخر میں معطل ہو گئی۔ ضیاء الدین اصلاحی اس بارے میں بتاتے ہیں:

> ''دائرۂ حمیدیہ کی طرف سے ان کی ادارت میں ایک بلند پایہ علمی ماہنامہ ''الاصلاح'' بھی جاری ہوا۔ مگر ناقدری کی بنا پر یہ چار برس ہی میں بند ہو گیا۔ تاہم اس میں قرآنیات پر ایسے محققانہ مضامین شائع

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہوئے کہ آج تک لب ساقی پر مکرر صدا جاری ہے:

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق''

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۸)

امین احسن کی ''مبادی تدبر قرآن'' اسی دور کی تصنیف ہے۔

''الاصلاح'' میں شائع ہونے والے فراہی کے مسودات کے ترجموں میں کچھ تصرفات بھی کیے گئے۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''... امین احسن اصلاحی کے قلم سے مولانا فراہی کے مطبوعہ اجزاے تفسیر (عربی) کے اردو ترجموں کا سلسلہ اسی رسالے میں شروع کیا گیا۔ مصلحتاً ان ترجموں میں مولانا اصلاحی نے کچھ تصرفات بھی کیے۔ کہیں کہیں عبارت حذف کر دی گئی جس پر نکتہ چینوں نے گرفت کی۔ غالباً اس کے بعد ہی مولانا اصلاحی نے مجموعۂ تفاسیر فراہی کے دیباچہ میں اس کے ذکر یا وضاحت کی ضرورت محسوس کی۔ لکھتے ہیں:

''میں نے بھی ان کے ترجمہ میں دیانت داری کے خیال سے کچھ زیادہ تصرف نہیں کیا ہے، صرف مقدمہ اور تفسیر سورۂ فاتحہ سے بعض ایسے حصے ترجمہ میں حذف کر دیے ہیں جو بالکل ہی ناتمام یادداشتوں کی شکل میں تھے ''الخ'' واقعی دیانت داری کا تقاضا یہی ہے''۔'' (ذکر فراہی ۵۷۴)

''دائرۂ حمیدیہ'' کے بارے میں ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی مزید لکھتے ہیں:

''دائرۂ حمیدیہ نے مولانا فراہی کے مسودات میں سے بعض چیزیں شائع کیں اور یہ سلسلہ سست رفتاری سے کم و بیش جاری رہا۔ دائرے کا اصل اور بنیادی مقصد یہی تھا۔ لیکن اس کے لیے نہ کارکن تھے۔ نہ سرمایہ۔ مدرسہ سے وابستہ شاگردوں نے ہی بغیر کسی معاوضہ کے یہ فریضہ انجام دیا۔ ان شاگردوں میں اختر احسن اصلاحی اور امین احسن اصلاحی نمایاں ہیں۔ ماہنامہ الاصلاح کے بعض شمارے بیچ سے غائب ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسالے کی جگہ فراہی کی کوئی کتاب بھیجی جاتی رہی۔ ماہنامہ الاصلاح اور ماہنامہ ترجمان القرآن میں علمی معرکہ آرائی بھی ہوتی تھی۔ اور ان کے مابین رشتۂ مواخاۃ بھی قائم ہوا۔ اس وقت حوالہ سامنے نہیں۔ لیکن اس روایت کی اصل کہیں موجود ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے یہ میرا سہو ہو۔

مولانا مودودی سرائے میر آئے۔ مولانا اصلاحی جماعت اسلامی کے تاسیسی اجتماع میں شریک ہوئے۔ وہ جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے جو پہلے دینی جمع سیاسی جماعت تھی پھر سیاسی جمع دینی جماعت میں مبدل ہوئی۔ ان کی پہلی بیوی کا بہت پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ مولانا مودودی نے پٹھان کوٹ کے ایک رئیس خاندان میں

ان کی دوسری شادی کرادی۔ برصغیر کی تقسیم کا واقعہ پیش آیا تو وہ پٹھان کوٹ میں تھے۔ مولانا مودودی کی امارت میں قائم جماعت کے ساتھ وہ بھی پاکستان منتقل ہو گئے۔

مشن جس کے لیے فراہی نے سید سلیمان ندوی کے بقول امین احسن کو تیار کیا تھا اور جس کی حقانیت اور برتری کے وہ دل سے قائل تھے، اس مشن کے لیے اس زمانے میں فراہی کے ایک عقیدت مند نے پچاس ہزار کی خطیر رقم کا عطیہ دیا تھا۔ اور وہ رقم اصلاحی صاحب کے نام ان کے ذاتی اکاؤنٹ میں جمع کر دی گئی تھی۔ اس وقت کے پچاس ہزار کی مالیت آج کے پچاس لاکھ کے برابر ہے۔ وہ رقم ہمیشہ کے لیے ڈوب گئی۔ درد رکھنے والوں نے ہزار جتن کیے کہ مولانا کسی طرح ایک بار آ جائیں رقم نکلوانے کے لیے فقط ایک دستخط کرنا تھا۔ وہ رقم ان کی بے اعتنائی کی وجہ سے ضائع گئی۔ میرے پاس مذکورہ بالا پچاس ہزار سے متعلق دستاویز کی نقل فوٹو سٹیٹ کاپی اور ضروری معلومات موجود ہیں۔

یہ بات سخت خلجان کا باعث بنتی ہے جب آدمی دیکھتا ہے کہ پچاس ہزار کی رقم سے کوئی کام نہ لیا گیا اور اسے یوں ہی ضائع کیا گیا۔ فراہی کے دو ارشد تلامذہ میں سے امین احسن اصلاحی کو بعض ایسی خوبیوں سے بہرہ وافر ملا تھا جو اختر احسن میں نہیں تھیں۔ ان کے فراہی کے مدرسہ اور دائرہ کو چھوڑنے سے جو خلا پیدا ہوا وہ کسی طور پر نہ ہو سکتا۔ سرمایہ تو ڈاکٹر حفیظ اللہ کے گراں قدر عطیے نے فراہم کر دیا، مگر افرادی قوت جو پہلے ہی کم تھی مولانا اصلاحی کی ہجرت سے اس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اس وقت کے ناظم حاجی رشید الدین صاحب نے مولانا مودودی کو خط لکھا کہ وہ امین احسن کو سرائے میر واپس بھیج دیں۔ انھوں نے مدرسہ اور دائرہ کے کام کی اہمیت کا حوالہ دیا۔ اور اس نقصان کی طرف توجہ دلائی جو اصلاحی صاحب کے ترک وطن کے باعث ان اداروں کو پہنچا۔ یہ بات مجھے بدر الدین اصلاحی نے بتائی اور میرے پاس حاجی رشید صاحب کے اس خط کی ایک دستی کاپی بھی موجود ہے۔ اس کا جواب مولانا مودودی نے یہ دیا کہ دائرہ کو پچاس ہزار کی رقم سمیت پٹھان کوٹ منتقل کر دیا جائے۔ کہتے ہیں مودودی صاحب کا یہ خط شائع ہو گیا ہے۔ میری نظر سے نہیں گزرا، لیکن بدر الدین صاحب کی زبانی اس کے مندرجات معلوم کر کے مجھے افسوس ہوا۔ مولانا مودودی کو صرف اپنی تحریک و تنظیم سے غرض تھی۔ فقط اتنی سی بات بھی ان کی علمی و دینی بصیرت کے متعلق کوئی اچھا تاثر نہیں پیدا کرتی۔

بدر الدین اصلاحی نے مجھے بتایا کہ امین احسن اصلاحی کو خط لکھا گیا کہ فراہی کے مسودات کی اشاعت کی فکر کرنی چاہیے۔ انھوں نے جواب میں یہ تجویز ارسال کی کہ مولانا فراہی کے مسودات کی اشاعت کا کوئی فائدہ نہ ہو گا ان کو سمجھے گا کون۔ بہتر ہو گا کہ ان کے افکار کو سامنے رکھ کر اردو میں نئے سرے سے ایک تفسیر لکھ دی

جائے۔ان کا خط پڑھ کر اختر احسن نے آہ سرد بھری اور حسرت و یاس کے عالم میں کہا کہ کوئی نہیں چاہتا کہ دنیا فراہی کو بھی جانے۔ میں نے اس خط کے بارے میں بدرالدین صاحب سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ محفوظ نہیں رہا۔ایک زمانے میں اصلاحی صاحب اور ان کے ساتھیوں نے مولانا فراہی کی مطبوعہ چیزوں کو چھاپنے کا آغاز کیا تو اصلاحی صاحب نے مجھ سے کہا کہ پہلے ہم ان چیزوں کو چھاپیں گے۔ پھر ان سے جو آمدنی ہو گی اور سرمایہ جمع ہو گا ان کو خرچ کر کے مسودات کی طباعت کا سامان کریں گے۔ میں یہ سن کر خوش ہوا اور میرے دل میں تحسین اور شکر گزاری کے جذبات پیدا ہوئے۔

سرائے میر کو چھوڑ کر پٹھان کوٹ آنے اور جماعت اسلامی جوائن کرنے کے بعد امین احسن صاحب نظم جماعت کے پابند ہو کر جماعتی سر گرمیوں میں لگ گئے۔اس زمانے میں لکھنے کا کام کم کیا اگر کوئی چیز لکھی تو اس کا تعلق جماعت سے جوڑنا زیادہ صحیح ہو گا۔

ایام اسیری کی فرصت میں ''مسلمان عورت دوراہے پر'' جیسی کتابیں لکھیں یا جماعت کے جلسوں اور اجتماعات میں کی گئی تقریروں پر مشتمل کتابیں شائع کیں۔تحریک و تنظیم کا مزاج اور مذاق بالکل مختلف ہوتا ہے۔اس لیے اس سے ہٹ کر کسی چیز کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔مولانا مودودی کے درس قرآن کے ساتھ ان کا درس قرآن بھی ہوتا تھا اس میں وہ نظم قرآن وغیرہ کی باتیں کرتے تھے تو جماعت کے عام لوگ تو بے چارے کیا سمجھتے اور کیا کہتے۔اعیان واکابر یہ کہتے کہ اصلاحی صاحب نظم کی جو باتیں کرتے ہیں وہ زیادہ تر کھینچا تانی ہوتی ہے۔ان کے مخاطب اپنی ذہنی اور علمی سطح کے لحاظ سے اس کے اہل نہیں تھے۔'' (ذکر فراہی ۵۷۵)

''... سال گذشتہ، میں ہندوستان گیا تو مولانا بدرالدین حال ہی میں انتقال کر چکے تھے۔اختر احسن اصلاحی کی وفات کے بعد وہی دائرۂ حمیدیہ وغیرہ کے وارث و امین تھے۔ ان کی وفات کے بعد وراثت اور جانشینی کا مسئلہ وہاں درپیش تھا۔ واپس آ کر میں نے اس کا ذکر اصلاحی صاحب سے کیا اور ان سے پوچھا کہ آپ نے کچھ سوچا ہے۔انھوں نے خالد مسعود کا نام لیا۔ گویا وہ نامزد خلیفہ ہیں۔ لیکن چونکہ مولانا ابھی زندہ ہیں اس لیے بکس ابھی تک انھی کے کمرے میں ہے۔ مولانا کی صحت جب زیادہ بگڑ گئی تو مجھے قرآن مجید کے ان دو نسخوں کا خیال آیا۔ میں نے خالد مسعود سے پوچھا تو انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر نعمان صاحب سے دریافت کیا تو یہ جان کر اطمینان ہوا کہ وہ نسخے محفوظ ہیں اور وہ بکس مولانا اصلاحی کے کمرے میں ان کی چارپائی کے نیچے ہے (تحریر ستمبر ۱۹۹۷ء)۔'' (ذکر فراہی ۵۸۱)

''الاصلاح'' میں کام کرنے سے امین احسن کو جو فائدہ ہوا، اس کا ذکر انھوں ڈاکٹر شرف الدین صاحب سے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مختلف مواقع پر کچھ یوں کیا:

”مدرسے میں مولانا کی وفات کے بعد رسالہ اصلاح میں جو کچھ علمی کام کیا ہے وہ چھپ چکا ہے۔ فکر فراہی پر میری تیاری کا زمانہ یہی ہے جب میں نے رسالہ نکالا اور ترجمے کیے۔ مولانا کی تمام چیزیں اس زمانے میں پڑھ ڈالیں۔ اشعار کی تلاش میں اختر اصلاحی مدد کرتے تھے۔ وہ ادھر ادھر سے تلاش کر کے نکالتے تھے۔“

(ذکر فراہی ۵۷۸)

مترجم

”دائرۂ حمیدیہ“ اور ”الاصلاح“ کے لیے امین احسن نے فراہی کی کتابوں کے جو ترجمے کیے، وہ اس قدر عمدہ تھے کہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی جیسے انشاپرداز نے لکھا کہ کسی شخص کو اگر عربی زبان کی اعلیٰ علمی عبارتوں کے اردو میں منتقل کرنے کا سلیقہ سیکھنا ہو تو اسے یہ ترجمے دیکھنے چاہییں۔ اسی ضمن میں جناب ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

”مولانا کے انتقال کے بعد ان کے افکار و تصانیف کی اشاعت کے لیے مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں دائرۂ حمیدیہ قائم ہوا جس نے مولانا کی عربی تصانیف کے متون اور ان کے سلیس و شگفتہ اردو ترجمے شائع کیے۔ یہ ترجمے مولانا اصلاحی نے اتنی خوبی اور قابلیت سے کیے ہیں کہ ان پر اصل کا دھوکہ ہوتا ہے۔“ (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۸)

دار الاسلام جمال پور سے ۱۹/ جولائی ۱۹۴۷ء کو حکیم محمد مختار اصلاحی کے نام خط میں امین احسن نے اپنا ارادہ واضح کرتے ہوئے لکھا:

”آج کل کچھ صحت خراب ہے۔ رمضان میں میرا ارادہ بھی راہوں[۲] ہی میں قیام کا ہے۔ اور رمضان کے بعد مستقلاً اعظم گڑھ منتقل ہو جانے کا ارادہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو وہیں سے جماعت کی خدمت اور دائرہ کی تجدید کا ارادہ ہے۔ (جماعت سے مراد جماعت اسلامی اور دائرہ سے مراد دائرۂ حمیدیہ ہے جو مولانا فراہیؒ کے افکار کی اشاعت کے لیے مولانا مرحوم نے مدرسۃ الاصلاح میں ۱۹۳۵ میں قائم کیا تھا۔ ملکی تقسیم کے بعد کے حالات میں مولانا اس فیصلہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ مدیر)“ (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ۴۶)

۲۔ مولانا کا سسرالی گاؤں جو اب بھارتی صوبہ پنجاب کے ضلع ہوشیار پور میں ہے۔

لیکن پاکستان آکر بھی امین احسن نے فراہی کی امانت کا حق ادا کر دیا۔ زندگی کے آخری برسوں میں ایک موقع پر امین احسن نے کہا:

”مولانا فراہی ایک سر مخفی تھے، میں نے انھیں آشکارا کیا...۔

میں نے ایک دھیلا خرچ کیے بغیر وہ کام کر دیا جس کے لیے ڈاکٹر حفیظ اللہ نے پچاس ہزار کا عطیہ دیا تھا۔

اب انھیں مجھ سے یہ شکایت نہیں ہو سکتی کہ میں نے کچھ نہ کیا اور روز حشر مجھے ان سے شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا...۔

یہ (اکیسویں) فراہی صدی ہے۔“ (ذکر فراہی ۵۸۲)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی

مرتب: ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

کیا حضرت معاویہ نے سبِّ علی کا حکم دیا تھا؟

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک حدیث، جس کے بہانے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی جاتی ہے، کا تحقیقی مطالعہ)

نوٹ: اصل تحریر علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی کے قلم سے ہے، البتہ بعض ضروری حوالوں کا اضافہ راقم خاک سار نے کر دیا ہے، بعض نوٹس بڑھائے ہیں اور اس کی تھوڑی تہذیب کر دی ہے۔ مصنف اور مرتب کی عبارتوں میں فرق کرنے کے لیے 'غ' سے اشارہ کر دیا ہے۔ ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی)

امام مسلم رحمہ اللہ نے قتیبہ بن سعید و محمد بن عباد سے، ان دونوں نے حاتم بن اسمٰعیل سے، اس نے بُکیر بن مسمار سے روایت کی ہے:

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه قال: أمر معاوية بن أبي سفيان سعدًا (أن يسبّ عليًا فأبى) فقال: ما منعک أن تسب أبا التراب؟ فقال: أما ما ذكرتُ ثلاثًا قالهن له رسول الله صلى الله عليه وسلم فلن أسبه، لأن تكون

لي واحدة منهن أحب إلي من حمر النعم، سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول له حين خلفه في بعض مغازيه، فقال له علي: يارسول اللّٰه، أتخلفني مع النساء والصبيان، فقال له رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: «أما ترضى أن تكون مني منزلة هارون من موسىٰ إلا أنه لانبوة بعدى». وسمعته يقول يوم خيبر: «لأعطين الرأية رجلًا يحب اللّٰه ورسوله ويحبه اللّٰه ورسوله» قال: فتطاولنا لها فقال: «ادعوا لي عليًا» فأتى به أرمد فبصق في عينه ودفع الرأية إليه ففتح اللّٰه عليه. ولما نزلت هذه الآية: ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ﴾ دعا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عليًا وفاطمة وحسنًا وحسينًا فقال: «اللّٰهُمَّ هولاء أهلي». (مسلم، رقم ۶۲۳۷)

''حضرت معاویہ بن ابی سفیان (امیر المؤمنین) نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو حکم دیا کہ ابوتراب، یعنی حضرت علی بن ابی طالب کو برا کہو، (یعنی ان پر دعاے لعنت کرو) سعد نے یہ حکم نہ مانا تو معاویہ نے ان سے کہا: ابوتراب کو برا کہنے سے آپ کو کیا مانع ہے۔ سعد نے کہا: آگاہ باش، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کے متعلق جو تین باتیں کہی تھیں، جب تک وہ مجھے یاد ہیں، میں ہرگز انھیں برا نہیں کہوں گا۔ ان تین باتوں میں سے ایک بھی میرے متعلق فرمائی ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے بھی بڑھ کر عزیز ہوتی۔ (سرخ اونٹ بہت قیمتی ہوتا تھا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، جب کہ ایک جہادی سفر میں آپ نے علی کو ساتھ نہ لیا تھا، مدینہ میں ہی رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ علی نے دل گرفتہ ہو کر عرض کیا تھا: یارسول اللہ، آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ رہے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمھارا مجھ سے وہی مرتبہ ہو جو حضرت ہارون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا، مگر یہ ہے کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے، (یعنی حضرت ہارون علیہ السلام تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریک کار اور نبی تھے، لیکن مجھے نبوت عطا فرمانے کے بعد نبوت ختم کر دی گئی ہے۔ نہ میرے ساتھ کوئی نبی ہو سکتا ہے نہ میرے بعد)۔ نیز میں نے آپ کو خیبر کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں۔ یہ سن کر ہم سب اس کے آرزومند ہوئے، (یعنی ہر صحابی کو آرزو ہوئی کہ علم مجھے ملے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی کو بلا کر

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

لاؤ۔ وہ حاضر کیے گئے، حال یہ تھا کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں لعاب کے ساتھ پھونک ماری اور علم انھیں عطا فرمایا۔ نیز جب آیتِ مباہلہ نازل ہوئی جس میں: ’فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ‘ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ اور حسن و حسین کو بلا کر فرمایا: خدایا، یہ میرے گھر والے ہیں۔“

تراجم:

بکیر بن مسمار زہری مدنی دروغ گو رافضی تھا۔ بخاری نے اس کی روایت کی ہوئی کوئی حدیث تخریج نہیں فرمائی۔ مسلم نے دو حدیثیں تخریج کی ہیں، ایک تو یہی ہے اور دوسری اس کے بعد آ رہی ہے (علامہ میرٹھی نے اس پر بھی نقد فرمایا ہے)۔

(تہذیب التہذیب میں ہے: ’قال البخاري: فيه نظر وقال العجلي: ثقة وقال النسائي: ليس به بأس وقال ابن عدي: مستقيم الحديث‘۔ ص ۴۳۴ (حرف الباء) المجلد الاول، دار الفکر بیروت، طبع: ۱۹۸۴ء۔

یعنی بخاری تو اس کو ثقہ خیال نہیں کرتے، عجلی کام چلاؤ قرار دیتے ہیں اور نسائی نے بھی کام چلاؤ ہی قرار دیا ہے۔ صرف ابن عدی نے ٹھیک قرار دیا ہے۔ (ظاہر ہے کہ امام بخاری کے مقابلے میں ان حضرات کا اس کو ثقہ قرار دینا محل نظر ہے)۔ ہماری تحقیق میں اس روایت کے دو جز درست نہیں ہیں۔ سنداً اس روایت پر یہ کلام ہے کہ اس کا راوی بکیر بن مسمار ضعیف ہے، جیسا کہ اوپر گزرا، تاہم چونکہ اس کی تخریج مسلم نے کی ہے اور بعض ائمہ نے بکیر کو کسی درجہ میں قبول کیا ہے تو روایت کو درست مانا جا سکتا ہے، مگر اس کے دو جز یقیناً غلط ہیں اور درایتاً اس کے وجوہ درج ذیل ہیں۔ غ):

۱۔ اس میں مذکور ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو سیدنا علی کو سب و شتم کرنے کا حکم دیا تھا۔ ناظرین جانتے ہوں گے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص عمر و مرتبہ میں حضرت معاویہ سے بدرجہا افضل تھے۔ وہ معاویہ سے تقریباً اٹھارہ سال عمر میں بڑے تھے، نوجوانی میں، جب کہ سولہ سترہ سال کے تھے، مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ قدیم الاسلام ہیں، عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور ان چھ اشخاص میں سے ایک ہیں جن کے متعلق حضرت عمر نے آخری وقت میں وصیت فرمائی تھی کہ خلافت کے لیے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کیا جائے۔ بوقت انتخاب حضرت سعد نے حضرت عثمان کے حق میں رائے دی تھی۔ حضرت عثمان کے

بعد جب بلوائیوں اور عام انصار مدینہ نے حضرت علی سے بیعت کر لی تو عبد اللہ بن عمر و اسامہ بن زید وغیرہم کی طرح سعد بھی ان کی بیعت سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علی کے بعد ان کے فرزند ارجمند حضرت حسن نے جب حضرت معاویہ سے صلح اور بیعت کر لی تو تمام مسلمانوں کی طرح حضرت سعد نے بھی بطوع و رغبت حضرت معاویہ سے بیعت کر لی۔ حضرت معاویہ ایسے نادان نہ تھے کہ حضرت سعد کے مقام و مرتبہ سے آنکھ بند کر کے انھیں علی کو سب و شتم کرنے کا حکم دیتے، نہ وہ جاہل و بدزبان شخص تھے کہ حضرت علی کے بعد انھیں خود برا کہتے اور دوسروں سے برا کہلواتے۔ بے شک، علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان زبردست و خون ریز جنگ ہوئی تھی، مگر معاویہ اس میں حملہ آور نہ تھے۔ حضرت معاویہ نے دفاعی جنگ لڑی تھی۔ بکیر بن مسمار نے اپنی طرف سے یہ بات بنا دی ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت سعد کو سبِ علی کا حکم دیا تھا اور نہ ماننے پر ان سے 'ما منعک أن تسب أبا تراب' کہا تھا اور سعد نے انھیں بتایا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا علی کے بارے میں تین باتیں سنی ہیں۔

ابن خلدون کہتے ہیں کہ کسی خبر کے بارے میں امکان وقوع راوی کے ثقہ ہونے سے زیادہ اہم ہے اور یہاں اس بات کا امکان نہیں معلوم ہوتا کہ یہ قصہ ہوا ہو گا۔غ) ایک نہایت افسوس ناک بات یہ ہے کہ علی و معاویہ کی زندگیوں میں ہی اصحاب علی و اصحاب معاویہ کے درمیان سب و شتم اور لعن و طعن کا اور تبرا بازی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ''البدایہ والنہایۃ'' اور ''تاریخ ابن جریر'' میں تصریح ہے کہ اس کا آغاز کوفہ میں اصحاب علی نے کیا تھا۔

(البدایہ والنہایۃ، طبع: دار ہجر، تحقیق: دکتور عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی ۱۰/ ۵۷۵،تاریخ ابن جریر کے حوالے سے حافظ ابن کثیر نے اس کا تذکرہ کیا ہے کہ حضرت علی نے اس کی ابتدا کی اور حضرت معاویہ نے جواب میں اس کو شروع کیا، مگر خود حافظ نے کہا ہے: 'ولا یصح هذا عنهم' حوالہ بالا،غ) جواب آں غزل کے طور پر اصحاب معاویہ نے بھی اسے اپنا لیا۔ اہل رفض و تشیع تو اب تک تبرا بازی کو مذہبی شعار کی حیثیت سے اختیار کیے ہوئے ہیں، مگر اہل سنت ہمیشہ اس سے محفوظ رہے۔ کچھ مدت تک بنی امیہ اور اُن کے چمچے تبرا بازی کرتے رہے، لیکن خلیفۂ راشد عمر بن عبد العزیز نے سختی کے ساتھ اس کو بند کرا دیا، بلکہ مٹا دیا۔

۲۔ اُن تین باتوں میں سے پہلی بات بکیر بن مسمار نے حضرت سعد کے سر پہ منڈھی تھی کہ ایک سفر جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو مدینہ میں چھوڑا تھا۔ انھوں نے عرض کیا: 'یارسول اللہ،

أتخلفني مع النساء والصبيان'۔آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:'أما ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسىٰ إلا أنه لانبوة بعدي'۔بکیر بن مسمار نے نہ معلوم کیوں اس سفر جہاد کا نام نہیں لیا تھا، یقیناً وہ سفر تبوک تھا،اس لیے کہ اس کے علاوہ ہر سفر میں حضرت علی آپ کے ساتھ رہے ہیں، مگر اس دور دراز کے سفر کے موقع پر سخت اندیشہ تھا کہ منافقین کوئی فتنہ برپا نہ کردیں،اس لیے آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ نماز پڑھانا اور عام دیکھ بھال رکھنا اور منافقین کی طرف سے چوکس رہنا محمد بن مسلمہ کے ذمے تھا۔ سیدنا علی کو آپ نے حضرت فاطمہ اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی نگہداشت کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔'حتى إذا طلب الرسول صلى الله عليه وسلم من علي بن أبي طالب أن يخلفه في أهله'(د،اکرم ضیاء العمری، صحیح السیرۃ النبویہ ۵۲۹/۲)۔

لیکن یہ قطعاً غلط اور اہل تشیع کی گھڑی ہوئی بات ہے کہ اس موقع پر آپ نے حضرت علی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا:'أما ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسىٰ'۔آپ نے سیدنا علی کو مدینہ میں اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔ آپ کے جانشین تو محمد بن مسلمہ انصاری تھے۔آپ نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہوتا تو آپ کا ان سے یہ فرمانا معقول ہوتا۔(یٰسین مظہر صدیقی تو یہ کہتے ہیں کہ کسی ہاشمی کو یہ عہدہ پورے دور نبوی میں نہیں ملا تھا۔ ملاحظہ ہو: عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت ۲۶۰، القاضی پبلشرز، نئی دہلی، طبع اول:۱۹۸۸ء،غ)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بقول علامہ ابن خلدون واقعات کی خبروں کے تعلق سے اصل چیز امکان وقوع ہے،نہ راوی کا ثقہ و عادل ہونا۔ وہ کہتے ہیں:

"وأما الأخبار عن الواقعات فلابد في صدقها وصحتها من اعتبار المطابقة فلذالک وجب أن ينظر في إمكان وقوعه وصار ذالک فيها أهم من التعديل ومقدمًا عليه.(مقدمہ ابن خلدون ۱۵)"

(یعنی جہاں تک واقعات کی خبروں کا تعلق ہے تو ان کی سچائی اور صداقت کے لیے صرف اتنا کافی نہیں کہ راوی ثقہ ہے یا نہیں، بلکہ اس میں اس کے وقوع پذیر ہونے کے امکان پر غور کرنا چاہیے،اور یہ تعدیل سے زیادہ اہم ہے اور اس پر مقدم ہے۔ صفحہ ۱۵،غ)

۱۔ قرآن کریم میں تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کے لیے روانگی کے موقع پر حضرت

ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا: 'اخۡلُفۡنِیۡ فِیۡ قَوۡمِیۡ وَاَصۡلِحۡ وَلَا تَتَّبِعۡ سَبِیۡلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ' (الاعراف ۷: ۱۴۲)۔ روایت میں اِس فقرہ کا پیوند لگانے والوں کو سوچنا چاہیے تھا کہ سعد بن ابی وقاص نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا علی کے متعلق یہ سنا ہوتا تو وہ انتخاب خلیفہ کے موقع پر سیدنا علی کو چھوڑ کر سیدنا عثمان کے حق میں رائے نہ دیتے۔ اور سیدنا عثمان کے بعد سیدنا علی سے بیعت کرنے سے دست کش نہ رہتے، جب کہ حضرت معاویہ سے انھوں نے بغیر کسی تردد کے بیعت کر لی تھی۔

۲۔ رہی دوسری بات، یعنی غزوۂ خیبر میں حضرت علی کو عَلم دے کر جنگ کے لیے بھیجنا تو یہ فی نفسہٖ صحیح قصہ ہے، لیکن یہ بات قطعی سمجھنے میں آنے والی نہیں کہ اس بات کو سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی کو سب نہ کرنے کی معذرت میں معاویہ سے اسے بیان کیا ہو۔

۳۔ رہی تیسری بات تو وہ نہایت نازیبا جھوٹ ہے۔ افسوس کہ ثقہ محدثین تک اس کو نقل کر گزرے ہیں اور انھوں نے سورۂ آل عمران کی اس آیت پر غور نہیں کیا جس میں 'قُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَکُمۡ' ہے۔ میں ناظرین کے سامنے وہ آیت رکھ رہا ہوں۔

قرآن مجید میں حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح کر دی گئی تھی، لیکن اہل کتاب کی اکثریت ان کے متعلق اپنی بدعقیدگی پر مصر تھی، یہود تکذیب و تفریط سے اور نصاریٰ افراط و غلو سے باز آنے کا نام نہ لیتے تھے اور اس مسئلہ میں کج بحثی پر کمربستہ رہتے تھے اور دل میں طے کیے رہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں کوئی بات مان کر نہ دیں گے، اس لیے اب ان کے ساتھ بحث میں الجھنا بے سود تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ مسیح بن مریم علیہ السلام کے متعلق جو یقینی باتیں ہم نے تمھیں بتا دی ہیں، ان کے بعد بھی اہل کتاب یہود و نصاریٰ اپنی ہی بات ہانکتے رہیں اور آپ سے کج بحثی کریں تو انھیں دعوت مباہلہ دو کہ آؤ ہم تم دونوں فریق میدان دعا میں کھڑے ہوں ہم اپنے بچوں اور عورتوں اور مردوں کو لے آئیں اور تم اپنے بچوں اور عورتوں اور مردوں کو لے آؤ، دونوں فریق اللہ کے حضور گڑگڑائیں کہ دونوں میں سے جو فریق بھی جھوٹا ہو، اسی پر اللہ کی پھٹکار ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

فَمَنۡ حَآجَّکَ فِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَکُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمۡ	''پس اے نبی، جو لوگ تجھ سے مسیح بن مریم کے بارے میں کج بحثی کریں اُس علم کے بعد بھی جو تجھے حاصل ہوا ہے (اور تو نے انھیں اس سے

وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ ۟ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ.

(آل عمران ۳: ۶۱)

خوب آگاہ کر دیا ہے) تو کہہ دے کہ آؤ ہم اہل ایمان اپنے بیٹوں کو اور تم لوگ اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنے برادران دین کو اور تم اپنے برادران دین کو بلا لیں، پھر ہم گڑ گڑا کر دعا کریں، پس ہم جھوٹے فریق پر اللہ کی لعنت تجویز کریں۔''

۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کا جو وفد آیا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ان کے سامنے توضیحات رکھیں اور انھیں قبول اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے ضد و عناد کی وجہ سے قبول اسلام سے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق بدعقیدگی سے باز آجانے سے انکار کر دیا تو آپ نے انھیں دعوت مباہلہ دی، وہ اس پر آمادہ ہو گئے، مگر ان کے ایک سردار نے کہا کہ ان سے مباہلہ نہ کرو، کیونکہ اگر یہ فی الواقع نبی ہیں تو ان کی بد دعا ہمیں نامراد کر کے رکھ دے گی اور ہماری نسل کو بھی۔ سب اس پر متفق ہو گئے، مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور دار الاسلام کے تحت ذمی بن کر رہنے اور جزیہ ادا کرتے رہنے کا اقرار کر لیا اور عرض کیا کہ ہمارے ساتھ اپنے اصحاب میں سے ایک معتمد علیہ شخص کو بھیج دیں۔ آپ نے امین الامۃ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا (صحیحین) اور یہ خیال کرنا قطعاً غلط ہے کہ وفد نجران کی آمد اور ان سے حضرت مسیح کے متعلق گفتگو ہونے پر یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی تھی۔ یہ آیت تو اس وفد سے کئی سال پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اس آیت کے مطابق ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر کار اس وفد کو دعوت مباہلہ دی تھی۔

اب بکیر بن مسمار کی روایت کی طرف آیئے، اس نے حضرت سعد کے سر یہ منڈھا ہے کہ 'ولما نزلت هذه الآية: ﴿فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ﴾ دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عليًا وفاطمة وحسنًا وحسينًا فقال: «اللّٰهُمَّ هؤلاء أهلي»'۔

اب کوئی یہ بتائے کہ اس آیت کے نزول پر علی و فاطمہ و حسن و حسین کو بلا کر 'اللّٰهُمَّ أهلي' فرمانے کی کیا تک ہو سکتی ہے۔ ماروں گھٹنا پھوٹے خیر آباد۔ پھر بکیر بن مسمار کو یہ بھی علم نہ تھا کہ جب مباہلہ نازل ہوئی ہے تو حسین بن علی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ حسن بن علی، ممکن ہے کہ پیدا ہو گئے ہوں، اس لیے کہ سورۂ آل عمران میں حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام سے متعلق آیات، آیت مباہلہ سمیت غزوۂ احد سے پہلے نازل ہو چکی

تھیں۔ غزوۂ احد شوال ۳ھ میں ہوا تھا اور حسن بن علی بقول خلیفہ بن خیاط وغیرہ نصف رمضان ۳ھ میں اور بقول قتادہ ۱۵/ شوال ۴ھ میں پیدا ہوئے (تہذیب التہذیب: طبع: دار الفکر، الطبعۃ الاولی، ۱۹۸۴ء، ۲/ ۲۵۷) اور حضرت حسین حضرت حسن سے ایک سال بعد پیدا ہوئے (قال جعفر بن محمد کان بین الحسن والحسین طهر واحد، ص ۲۹۹، نفس المصدر، غ)۔ الغرض بکیر بن مسمار کی روایت میں یہ تیسری بات قطعاً غلط ہے۔ (اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''تفسیر مفتاح القرآن'' میں آیت مباہلہ کی تفسیر اور متعلقہ روایات کی تحقیق، ۱/ ۶۷۰-۶۷۳، شائع کردہ: فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی، طبع ثانی)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خورشید احمد ندیم

فلسطین کا مقتل اور مذہبی مقدمات

مذہب اپنے جوہر میں اُخروی ہے اور اپنے وجود میں اخلاقی۔

اِس سے مراد کیا ہے؟ مذہبی آدمی کا ہر قدم اس فکر کے تحت اٹھتا ہے کہ کل جب خدا کے حضور میں پیشی ہو تو وہ سرخرو ٹھیرے اور دائمی خسارے سے محفوظ رہے۔ وہ اسی احساس میں جیتا ہے۔ یہ مذہب کا جوہر ہے۔ دوسری طرف انسان ایک وجود رکھتا ہے۔ یہ وجود حیاتیاتی بھی ہے اور اخلاقی بھی۔ حیاتیاتی اعتبار سے وہ جانتا ہے کہ بقا کے لیے کس سامان کی ضرورت ہے۔ یہ علم اس کے داخل میں ہے، جو ہر جان دار کو عطا ہوا ہے۔ انسان کے داخل سے، مگر ایک اور آواز بھی اٹھتی جو اسے بتاتی ہے کہ خیر کیا ہے اور شر کیا۔ یہ اس کے اخلاقی وجود ہونے کی دلیل ہے۔ دوسرے جان دار اس سے محروم ہیں۔ اللہ کے پیغمبر انسان کو اسی آواز کی طرف متوجہ کرتے اور اس کے اخلاقی وجود کی تطہیر کا سامان کرتے ہیں۔

مذہب اگر سیاست میں یا معاشرت میں مداخلت کرتا ہے تو اسی مقدمے کے ساتھ۔ یہ انسان ہی ہے جو سیاست دان ہے۔ وہی ہے جو سماجی ادارے قائم کرتا ہے۔ مذہب اسے بتاتا ہے کہ اس دنیا میں اپنی بقا اور زندگی کو منظم بنانے کے لیے وہ جو قدم اٹھائے، مذہب کے اس مقدمے کو سامنے رکھے۔ وہ متنبہ رہے کہ مذہب کسی گروہی عصبیت کا نام نہیں۔ یہ پروردگار کی ہدایت ہے۔ یہ اسے 'آخرت مرکز' بناتا اور اس کے اخلاقی وجود کی پاکیزگی کا اہتمام کرتا ہے۔

انسان اس بات کو اکثر بھلا دیتا ہے۔ کبھی اس پر گروہی عصبیت غالب آ جاتی ہے اور کبھی شخصی مفاد۔ وہ گروہ کی محبت میں سب کچھ جائز اور اسے مذہب کا مطالبہ سمجھتا ہے۔ ذاتی مفاد کے لیے کی جانے والی سعی وجہد کو 'جہاد فی سبیل اللہ' قرار دیتا ہے، اسی لیے انسانوں کو تذکیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ کے پیغمبر اسی کے لیے آتے

ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں یہی ذمہ داری ادا کی، جو یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ دین موسوی پہ قائم ہیں۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذمہ داری ایک سطح پر عربوں کے لیے سر انجام دی، جو اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ دین ابراہیمی پر کھڑے ہیں۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول تھے، اس لیے آپ نے عالمی پیمانے پر حق کی شہادت دی۔ یہ آپ کی دعوت کی دوسری سطح تھی۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کام اب امت کو سونپا ہے کہ وہ دوسروں پر حق کی شہادت دے۔ طریقہ یہ بتایا کہ ہر قوم میں سے کچھ لوگ اٹھیں، جو دین سیکھیں اور پھر انذار کریں۔

یہ مقدمہ تو سب کے لیے قابل فہم ہے کہ مذہب کا پیغام جوہری طور پر آخرت سے متعلق ہے، مگر اس باب میں وضاحت کی ضرورت ہے کہ وجودی اعتبار سے مذہب کا مقدمہ اخلاقی کیسے ہے؟ مذہب چند اخلاقی اقدار سے وابستگی کو لازم قرار دیتا ہے۔ ایک فرد جب خود کو مذہبی کہتا ہے تو یہ اس کا شعوری فیصلہ ہے۔ یہ اعلان ہے کہ میرے فیصلے کسی مادی سود و زیاں یا گروہی و شخصی مفاد کے بجاے ان اخلاقی اقدار کے پابند ہوں گے جن کا احساس میرے داخل میں ہے اور جن کی یاددہانی اللہ کے پیغمبر کراتے رہے ہیں۔

مثال کے طور پر اللہ کی آخری کتاب یہ کہتی ہے کہ تم کو ہر صورت میں عدل اور انصاف پر کھڑا رہنا ہے، یہاں تک کہ کسی گروہ کے ساتھ دشمنی بھی تمھیں عدل سے نہ ہٹا سکے (المائدہ ۵: ۸)۔ اللہ کے آخری رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان بھائی کی مدد کے لیے فرمایا، وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روکا جائے۔ اسی طرح مسلح اقدام کے لیے ایک اجتماعی نظم یا ریاست کو ضروری کہا۔ تصادم ناگزیر ہو جائے تو محارب اور غیر محارب میں تمیز کرنے کی ہدایت کی۔ مذہب کو اس سے کم دل چسپی ہے کہ اس کے ماننے والے مادی طور پر فاتح ہیں یا مفتوح۔ اسلام کو اس سے دل چسپی ہے کہ ان کی اخلاقی شکست کسی صورت میں نہ ہو۔ انسان سے دیگر الہامی مذاہب کا مطالبہ بھی یہی ہے۔

اپنی اس اخلاقی حساسیت کی بنا پر، ظلم مذہب کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی ہدایت کرتا ہے۔ یہ آواز کیسے اٹھائی جائے گی، اس کا تعلق حالات اور وسائل سے ہے۔ تاہم مذہب کے لیے ظلم قابل قبول نہیں ہے۔ وہ جس اخلاقی وجود کی بات کرتا ہے، وہ ظلم کو سند جواز دے کر باقی نہیں رہتا۔ مذہب انسان پر یہ بھی واضح کرتا ہے کہ ظلم کا جواب ظلم نہیں۔ دفاع ہر کسی کا حق ہے۔ یہ حق بھی کسی ظلم کے لیے جواز نہیں بن سکتا۔

رہا وہ مقدمہ جو غیر مذہبی بنیادوں پر قائم کیا گیا ہو تو اس کی بحث کا دائرہ دوسرا ہے۔ ایک گروہ کسی ریاست یا

گروہ کے ظلم کا شکار ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اپنے دفاع کے لیے اسے ہر قدم اٹھانے کا حق ہے تو اس بحث میں مذہبی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔ یہ گفتگو منطقی یا عقلی دائرے ہی میں ہو سکتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ مخالف ریاست کا طیارہ اغوا کر کے ہم اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں تو اس دلیل کا جائزہ عقل اور منطق کی بنیاد پر لیا جائے گا۔ مذہبی دلائل کا مطلب مذہب کے ماخذ سے دلیل لانا ہے۔

مشرق وسطیٰ میں آج قیامت برپا ہے۔ اس کی بنیاد سرزمین فلسطین پر اسرائیل نام کی ناجائز ریاست کا قیام ہے۔ یہ اُس ظلم کی اساس ہے جو اب ایک مسلسل عمل ہے۔ اس کا شکار لوگوں کی اکثریت مسلمان ہے۔ اگر وہ بحیثیت مسلمان اپنا مقدمہ لڑنا چاہتے ہیں تو حکمت عملی بناتے وقت انھیں لازماً قرآن و سنت سے رہنمائی لینا ہے۔ اگر وہ اسے ایک قومی مسئلے کے طور پر دیکھ رہے ہیں، جس میں ان کے ساتھ فلسطینی، مسیحی اور دوسرے گروہ بھی شریک ہیں تو انھیں موجودہ عالمی قوانین اور روایات کے مطابق کوئی لائحۂ عمل طے کرنا ہو گا۔ ماضی میں دونوں طرح کی مثالیں موجود ہیں۔ حماس پہلے اور پی ایل او دوسرے کی نمایندہ ہیں۔

آج حماس نے جو راستہ اپنایا ہے، یہ جواب میں مسلح اقدام کا راستہ ہے۔ ایران اور ترکیہ وغیرہ اس کو درست سمجھتے ہیں۔ اب لازم ہے کہ حماس کے حق میں ایرانی اور ترکی افواج اور طیارے حرکت میں آئیں۔ ترکیہ نے فلسطینیوں کی مرہم پٹی کے لیے امداد کا اعلان کیا ہے۔ حماس کو مرہم پٹی کی نہیں، فوجی مدد کی ضرورت ہے۔ اگر اس کو یہ مدد فراہم نہیں کی جاتی تو پھر ایرانی اور دوسری حمایت محض نمایشی ہے۔

حماس کے مقابلے میں ریاست ہے۔ جو ریاستیں حماس کے موجودہ اقدام کو درست سمجھتی ہیں، ان کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ عملاً ان کی تائید میں آئیں۔ فلسطینیوں کی مرہم پٹی مدت سے ہو رہی ہے، مگر ان کا زخم آئے دن تازہ ہو جاتا ہے۔ حماس کو آج اسرائیلی طیاروں کے مقابلے میں طیاروں اور فوج کے مقابلے میں فوج کی ضرورت ہے۔ اسرائیل کی حمایت میں امریکا نے صرف مرہم پٹی کا سامان نہیں بھیجا، طیاروں سے لدا ہوا اس کا بحری بیڑا اسرائیل کی مدد کو پہنچ چکا۔ جو لوگ انھیں یہ مدد نہیں دے سکتے، انھیں چاہیے کہ وہ فلسطینیوں کو تنہا مقتل میں بھی نہ دھکیلیں۔ انھیں سیاسی جدوجہد کا راستہ دکھائیں۔ بصورت دیگر، کل جب تاریخ فلسطینیوں کے قاتلوں کی فہرست بنائے گی تو اس میں بہت سے دوستوں کا بھی نام ہو گا۔

انسانی جانوں کا معاملہ کھیل تماشا نہیں۔ اس کو گروہی مفادات یا سطحی جذباتیت کی نذر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے مذہب کا استعمال تو کہیں زیادہ سنگین مسئلہ ہے۔ (بشکریہ: روزنامہ دنیا، لاہور، ۱۲/ اکتوبر ۲۰۲۳ء)

محمد وسیم اختر مفتی

مہاجرین حبشہ

(۲۵)

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت سعید بن عمرو رضی اللہ عنہ

حسب نسب

حضرت سعید (شاذ روایت: معبد) بن عمرو بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سترھویں جد الیاس بن مضر کے تین بیٹے مدرکہ (عامر)، طابخہ (عمرو) اور قمعہ (عمیر) ہوئے۔ آپ مدرکہ کی اولاد میں سے ہیں، جب کہ طابخہ بن الیاس حضرت سعید بن عمرو کے جد ہیں۔ تمیم بن مر جن سے بنو تمیم کا قبیلہ منسوب ہے، اد بن طابخہ کے پوتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو تمیم (زمانۂ جاہلیت میں) فرشتوں کی عبادت کرتے تھے (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۲۷۳۹)۔

بنو تمیم کے شاعر اور جلیل القدر صحابی حضرت قیس بن عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ آپ کو نبوت ملنے سے پہلے ہم شام کے سفر پر تھے کہ ایک گرجا کے پادری نے بتایا کہ مضر کی اولاد میں اللہ کے آخری نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوں گے، یوں ہمیں آپ کی بعثت سے بہت پہلے آپ کی نبوت کا علم ہو گیا تھا۔

ہم نے اپنے نومولودوں کے نام محمد رکھنا شروع کر دیے تھے (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۳۷۲۳)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت میں سے بنو تمیم دجال پر بھاری ہوں گے (بخاری، رقم ۲۵۴۳۔ مسلم، رقم ۶۵۳۸۔ مسند احمد، رقم ۹۰۶۸۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۸۰۸۔ مصنف عبدالرزاق، رقم ۲۰۸۳۳۔ مسند ابویعلیٰ، رقم ۶۱۰۱)۔ مسند احمد کی روایت (رقم ۱۷۵۳۳) میں اضافہ ہے: بنو تمیم کے لیے بھلا ہی کہو، وہ دجال پر نیزہ زنی کرنے میں سب سے آگے ہوں گے۔

حضرت تمیم بن حارث حضرت سعید بن عمرو کے ماں شریک بھائی تھے۔ان دونوں کی والدہ بنو عامر بن صعصعہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ حرثان بن حبیب ان دونوں کے نانا تھے۔

حضرت سعید بن عمرو بنو سہم کے حلیف تھے۔

حبشہ کی طرف ہجرت

۵/ نبوی (۶۱۵ء): کم زور اور ضعیف اہل ایمان پر مشرکین مکہ کا سلسلۂ ظلم دراز ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حبشہ ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ ماہ رجب میں حضرت عثمان بن عفان کی قیادت میں گیارہ صحابہ اور چار صحابیات پر مشتمل قافلہ حبشہ روانہ ہوا۔ یہ ہجرت اولیٰ تھی۔ پھر ماہ شوال سے قبل حضرت جعفر بن ابو طالب کی سربراہی میں سڑسٹھ اہل ایمان نے حبشہ کا رخ کیا۔اسے ہجرت ثانیہ کہا جاتا ہے۔ حضرت سعید بن عمرو اس ہجرت کا حصہ تھے۔ان کے حلیف قبیلے بنو سہم کے حضرت حارث بن حارث، حضرت سائب بن حارث، حضرت بشر بن حارث، حضرت سعید بن حارث، حضرت عبداللہ بن حارث، حضرت معمر بن حارث، حضرت ابو قیس بن حارث، حضرت خنیس بن حذافہ، حضرت عبداللہ بن حذافہ، حضرت قیس بن حذافہ، حضرت عمیر بن رئاب اور حضرت محمیہ بن جزء ان کے ہم سفر تھے۔

حبشہ سے مدینہ

حضرت سعید بن عمرو ان صحابہ میں شامل تھے، جو جنگ بدر کے بعد کسی وقت مدینہ پہنچے اور انھوں نے حضرت جعفر بن ابو طالب کے ساتھ مدینہ کا سفر ہجرت نہیں کیا۔ ابن اسحٰق نے اس زمرہ میں بنو سہم کے حضرت عبداللہ بن حارث، حضرت حارث بن حارث، حضرت معمر بن حارث، حضرت بشر بن حارث، حضرت سعید بن حارث، حضرت سائب بن حارث، حضرت ابو قیس بن حارث، حضرت قیس بن حذافہ اور

حضرت عبد اللہ بن حذافہ سمیت کل چونتیس اصحاب کا شمار کیا ہے۔

غزوات

حضرت سعید غزوۂ بدر کے وقت حبشہ میں تھے، بعد کے غزوات میں ان کی شرکت کی تفصیل نہیں ملتی۔

خلافت راشدہ، جنگ اجنادین

۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ، ۱۰/ جولائی ۶۳۴ء (واقدی، ذہبی، Walter Kaegi بتصرف) یا ۱۵ھ ۶۳۶ء (طبری، ابن جوزی، ابن کثیر) کو موجودہ اسرائیل کے بیت غوفرین یا بیت جبرین (Beit Guvrin) اور رملہ کے درمیان واقع مقام اجنادین پر رومی بازنطینی اور اسلامی افواج کے درمیان پہلا بڑا معرکہ ہوا۔ اسے جنگ اجنادین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابتدائی جھڑپیں حضرت معاویہ بن ابوسفیان کی قیادت میں ہوئیں۔ حضرت عمرو بن العاص، حضرت شرحبیل بن حسنہ اور حضرت خالد بن ولید کے دستے شامل ہوئے تو اسلامی فوج کی نفری تینتیس ہزار ہو گئی۔ نوے ہزار پر مشتمل رومی فوج کا سپہ سالار قیصر روم ہرقل کا بھائی تھیوڈور (Theodore، تذارق) تھا۔ عہدے کے اعتبار سے اسے ارطبون یا military tribune کہا جاتا تھا۔

بُصریٰ میں شکست کھانے کے بعد ہرقل نے تھیوڈور کو اجنادین کے مقام پر فوجیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ اس نے ایک زبردست فوج تو اپنے پاس اجنادین میں رکھی اور دوسری رملہ اور بیت المقدس میں تعینات کی۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے فلسطین کے سپہ سالار حضرت عمرو بن العاص کو اجنادین جانے کا حکم دیا۔ اجنادین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی، انجام کار ارطبون تھیوڈور شکست کھا کر بیت المقدس کو فرار ہو گیا اور اجنادین پر حضرت عمرو بن العاص کا قبضہ ہو گیا۔

شکاگو یونیورسٹی کے تاریخ کے پروفیسر Walter Kaegi (۱۹۳۷ء تا ۲۰۲۲ء) کا کہنا ہے کہ اس بات کا کم احتمال ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے جنگ اجنادین میں فوج کی کمان کی ہو (بیزنطۃ والفتوحات الاسلامیۃ المبکرۃ ۱۴۵)۔

واقدی کا بیان

واقدی کا بیان مختلف ہے: رومی فوج کا سالار وردان اور جیش اسلامی کے قائد حضرت خالد بن ولید تھے۔ جنگ کی ابتدا میں وردان نے حضرت خالد کو بلا کر مال و دولت کا لالچ دیا اور انھوں نے اسلام قبول کرنے، جزیہ

دینے یا جنگ کرنے کی پیش کش کی۔ حضرت خالد بن ولید سے معانقہ کرنے کے بعد اس نے اپنی فوج کو صلیب کی حفاظت کرنے کے لیے حملہ کرنے کا حکم دے دیا، لیکن اس سے پہلے صحابہ لپکے اور حضرت خالد کے حکم پر حضرت ضرار بن ازور نے وردان کا سر پاش پاش کر دیا۔ پھر حضرت خالد کے حکم پر انھوں نے وردان کا سر اٹھایا اور سپاہ اسلامی رومی فوج پر ٹوٹ پڑی۔ صبح سے شام تک تلواریں چلتی رہیں۔ حضرت ضرار نے کئی رومیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ حضرت ہشام بن العاص سپاہیوں کی ہمت بندھاتے رہے۔ دو دن کی لڑائی میں پچاس ہزار رومی جہنم واصل ہوئے اور بچ جانے والے دمشق اور قیساریہ کو فرار ہوئے (فتوح الشام، واقدی ۱/۵۹-۶۰)۔

جنگ اجنادین میں پانچ سو پچھتر مسلمانوں نے شہادت کا نذرانہ پیش کیا۔ شہدا میں حضرت سعید بن عمرو، حضرت تمیم بن حارث، حضرت ہبار بن سفیان، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت عکرمہ بن ابو جہل، حضرت ابان بن سعید، حضرت خالد بن سعید، حضرت ضرار بن ازور، حضرت نُعیم بن عبد اللہ نحام، حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عمرو بن سعید، حضرت ہشام بن العاص، حضرت فضل بن عباس، حضرت طفیل بن عمرو دوسی، حضرت عبد اللہ بن عمرو دوسی اور حضرت حارث بن ہشام شامل تھے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وفات

حضرت سعید بن عمرو اور ان کے ماں جایے حضرت تمیم بن حارث جنگ اجنادین (۱۳ھ) میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق ان کی شہادت عہد صدیقی میں جنگ فحل (۱۳ھ) میں ہوئی۔

عائلی زندگی

حضرت سعید بن عمرو کی عائلی زندگی کے بارے میں معلومات موجود نہیں۔

مدینۂ منورہ کے حی المبعوث میں ایک شارع حضرت سعید بن عمرو تمیمی کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن اسحٰق)، فتوح الشام (واقدی)، السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، بیزنطۃ والفتوحات الاسلامیۃ المبکرۃ، ترجمہ Byzantium and the Early Islamic Conquests (Walter Kaegi)۔

حضرت عدی بن نضلہ رضی اللہ عنہ

شجرۂ نسب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھویں جد کعب بن لؤی کے تین بیٹے مرہ، عدی اور ہصیص ہوئے۔ آپ کا شجرۂ نسب مرہ بن کعب سے ملتا ہے، جب کہ عدی بن کعب کی اولاد بنو عدی کہلاتی ہے۔ لؤی بن غالب عدی کے تیسرے، مالک بن نضر پانچویں، مدرکہ بن الیاس نویں اور معد بن عدنان تیرھویں جد تھے۔

عدی کے دو بیٹے رزاح اور عویج ہوئے۔ رزاح بن عدی حضرت ابوبکر کی دادی قیلہ کے پانچویں اور حضرت عمر فاروق اور حضرت شفا بنت عبداللہ کے ساتویں جد تھے۔ حضرت عدی بن نضلہ عدی بن کعب کے دوسرے بیٹے عویج کی اولاد میں سے ہیں، ان کے والد کا نام نضلہ، نُضَیلہ اور اسد بتایا گیا ہے۔ عبدالعزیٰ بن حرثان ان کے دادا تھے۔ عویج بن عدی حضرت عدی کے چھٹے اور بانی قبیلہ عدی بن کعب ساتویں جد تھے (ابن سعد، ابن حجر)۔ ابن عبدالبر اور ابن اثیر نے عدی بن کعب کا ذکر نہیں کیا اور عویج بن کعب کو حضرت عدی کا چھٹا جد بتایا ہے۔ قبل اسلام کے موحد زید بن عمرو بن نفیل بھی بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔

مسعود بن حذافہ سہمی کی بیٹی حضرت عدی بن نضلہ کی والدہ تھیں۔

www.javedahmadghamidi.com

قبول اسلام

حضرت عدی بن نضلہ ابتداے اسلام میں مشرف بہ ایمان ہوئے۔

ہجرت حبشہ

حضرت عدی بن نضلہ ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔ بنو عدی کے دو اصحاب، حضرت عدی بن نضلہ کے چچازاد حضرت عروہ بن ابو اثاثہ اور ان کے بھتیجے حضرت معمر بن عبداللہ سفر ہجرت میں ان کے رفیق تھے۔ بنو عدی کے حلیف حضرت عامر بن ربیعہ اور ان کی اہلیہ حضرت لیلیٰ بنت ابوحثمہ ہجرت اولیٰ میں حبشہ جا چکے تھے۔

حبشہ میں داخل ہونے کے بعد زیادہ تر مہاجرین نجاش کے قصبے میں مقیم رہے اور کچھ سمندر پار کر کے مشرقی ایشیا پہنچے۔ مہاجرین نے حبشہ میں نماز ادا کرنے کے لیے دو مسجدیں تعمیر کیں جو مسجد الصحابۃ اور مسجد نجاشی کے نام سے اب بھی موجود ہیں۔

وفات

قیام حبشہ کے دوران میں سات صحابہ اور تین صحابیات کا انتقال ہوا اور وہ حبشہ ہی میں سپرد خاک ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت عدی بن نضلہ نے وفات پائی اور شاہ نجاشی نے خود ان کی تدفین کی۔ بنو عدی کے حضرت عروہ بن عبد العزیٰ نے بھی حبشہ میں وفات پائی۔ مسجد نجاشی کے عقب میں شارع صحابہ پر واقع احاطے میں دس صحابہ اور پانچ صحابیات کی قبریں تاحال موجود ہیں۔ حضرت عدی بن نضلہ، حضرت حاطب بن حارث، حضرت حطاب بن حارث، حضرت عبد اللہ بن حارث، حضرت سفیان بن معمر، حضرت عروہ بن ابو اثاثہ، حضرت مطلب بن ازہر اور حضرت فاطمہ بنت صفوان کی قبریں نشان زد ہیں۔

پہلا مورث کون؟

حضرت عدی بن نضلہ عہد اسلامی کے پہلے مسلمان تھے جن کی وراثت اسلامی طریقے سے ان کے بیٹے حضرت نعمان کو منتقل ہوئی۔ بلاذری کا کہنا ہے کہ ان کے دو بیٹے نعمان اور امیہ ان کے وارث بنے۔ ابن سعد نے حضرت عدی بن نضلہ کی تین اولادوں حضرت نعمان، حضرت نعیم اور حضرت آمنہ کا ذکر کیا اور صرف حضرت نعمان بن عدی کا وارث ہونا بتایا ہے (الطبقات الکبریٰ، رقم ۳۹۸)۔ حضرت نعمان بن عدی کو خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق نے موجودہ ایران کی سرحد پر واقع عراقی صوبے میسان کا گورنر بنایا، پھر کچھ عشقیہ اشعار کہنے پر معزول کر دیا اور کہا: اب تو کبھی بھی میرا عامل نہیں بنے گا (انساب الاشراف، بلاذری ۲۴۹/۱۔ المنتظم، ابن جوزی ۹۹۵)۔

ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق حضرت مطلب بن ازہر پہلے مسلمان تھے جن کی وراثت اسلامی طریق پر ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ نے پائی۔ ابن حجر کا یہ کہہ کر دونوں روایتوں کو جمع کرنا درست نہیں لگتا کہ حضرت مطلب کی وراثت حجاز میں اور حضرت عدی کی حبشہ میں منتقل ہوئی۔ دونوں اصحاب کا انتقال حبشہ میں ہوا اور مہاجرین حبشہ میں سے حضرت عدی بن نضلہ کے سب سے پہلے وفات پانے پر مورخین کا اتفاق ہے۔ کتب صحابہ میں یہ روایت بھی نقل ہوئی ہے کہ حضرت عمرو بن اثاثہ (حضرت عروہ بن ابو اثاثہ) دور اسلام کے پہلے فرد تھے جن کی وراثت منتقل ہوئی۔ اس بات کا صحیح ہونا ممکن نہیں، کیونکہ حضرت عروہ کی اولاد نہ تھی، جو ان کی وارث بنتی۔

اہلیہ اور اولاد

بنو خزاعہ کے نعجہ بن خویلد (بعجہ بن امیہ بن خویلد: نسب قریش، مصعب زبیری ۳۸۲) کی بیٹی سے حضرت عدی بن نضلہ کی شادی ہوئی اور حضرت نعمان، حضرت نُعیم (امیہ: ابن حزم) اور حضرت آمنہ کی ولادت ہوئی۔

اپنے والد کی وفات کے بعد حضرت نعمان بن عدی حضرت نُعیم بن عبد اللہ نحام کی پرورش میں رہے، انھوں نے اپنی بیٹی امہ کا نکاح ان سے کر دیا۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، نسب قریش (مصعب زبیری)، انساب الاشراف (بلاذری)، جمہرۃ انساب العرب (ابن حزم)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد رفیع مفتی

اخلاص نیت

نیت

نیت سے مراد انسان کے دل کا عزم و ارادہ ہے۔ یہ وہ عمل ہے جسے انسان کی زبان یا اس کے اعضا و جوارح نہیں، بلکہ اس کا دل سر انجام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کی نیت نہیں جان سکتا، لیکن انسان کی یہ نیت ہی وہ چیز ہے جو کسی معاملے میں اس کے اصل پروگرام اور اُس کے حقیقی مقاصد کا پتا دیتی ہے۔

اخلاص نیت

اخلاص نیت سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے عمل سے جس نیت کا اظہار کر رہا ہے، وہی اس کی اصل نیت ہو۔ مثلاً ہمیں جب کوئی آدمی نماز پڑھتا ہوا نظر آتا ہے تو ہم اُس کے اِس عمل سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کی عبادت کر رہا ہے۔ ہمیں یہ گمان کیوں ہوتا ہے؟ اس وجہ سے کہ نماز کا عمل اللہ کی عبادت ہی کے لیے کیا جاتا ہے، لیکن جیسے یہ بات ہو سکتی ہے کہ یہ شخص واقعتاً اللہ کی عبادت ہی کے لیے نماز پڑھ رہا ہو، اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ شخص محض دوسروں کے ہاں اپنے نمازی ہونے کا تاثر پیدا کرنے کے لیے نماز پڑھ رہا ہو۔ نماز پڑھنے سے اس کے پیش نظر کیا مقصد ہے، یہ ہم اُس وقت تک نہیں جان سکتے جب تک خود وہ شخص ہمیں نہ بتا دے۔ پس اگر وہ واقعتاً اُسی مقصد اور اُسی ارادے سے نماز پڑھ رہا ہے، جسے وہ اپنے عمل سے ظاہر کر رہا ہے، یعنی اس معاملے میں اس کا ظاہر اور باطن یکساں ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ وہ اپنے عمل میں مخلص ہے، یعنی اسے نیت کا اخلاص حاصل ہے۔

اخلاص نیت کی اہمیت

عمل کی ساری وقعت اور اس کی قدر و قیمت نیت کے اِس اخلاص ہی پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو بڑے

سے بڑا عمل بھی بے وقعت ہو جاتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ ہر انسان اِسے فطری طور پر جانتا اور اسی کے مطابق دوسروں کے ساتھ behave کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی شخص اپنے انتہائی محبوب لوگوں کی جانب سے بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کے ساتھ اپنے عمل اور اپنے رویوں میں غیر مخلص ہوں۔ نہ والدین یہ پسند کرتے ہیں کہ اُن کی اولاد اپنے عمل میں اُن کے ساتھ غیر مخلص ہو، نہ بھائی اور بہنیں، نہ کوئی عزیز رشتہ دار اور نہ کوئی دوست یہ گوارا کرتا ہے کہ اس کا دوست اُس کے ساتھ غیر مخلص ہو۔

خدا کی خاطر اخلاص کا حکم

سورۂ بینہ میں اطاعت میں اخلاص کا حکم اِن الفاظ میں دیا گیا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ.(۹۸: ۵)

”اُن کو حکم یہی ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں، اطاعت کو اُس کے لیے خالص کرتے ہوئے، پوری یک سوئی کے ساتھ، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ یہی سیدھی ملت کا دین ہے۔“

سورۂ زمر میں اخلاص کا حکم اِن الفاظ میں بیان ہوا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ.(۳۹: ۲)

”ہم نے، (اے پیغمبر)، اِس کتاب کو تمھاری طرف قول فیصل کے ساتھ اتارا ہے۔ سو اللہ ہی کی بندگی کرو، اپنی اطاعت کو اُسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔“

سورۂ زمر ہی میں اخلاص کے حوالے سے ارشاد ہوا ہے:

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ.
(۳۹: ۱۴)

”(اے نبی، آپ) کہہ دو کہ میں تو اللہ ہی کی بندگی کرتا ہوں، اپنی اطاعت کو اُسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔“

قرآن عبادت کی روح اخلاص ہی کو قرار دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

”اِن سے کہہ دو کہ مجھے تو میرے پروردگار نے ایک سیدھا راستہ دکھا دیا ہے — دین قیم، یعنی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حَنِيۡفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ. قُلۡ اِنَّ صَلَاتِيۡ وَنُسُكِيۡ وَمَحۡيَایَ وَمَمَاتِيۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ.(۶:۱۶۱-۱۶۲)

ملت ابراہیم کا راستہ، جو بالکل یک سو تھا اور ہرگز مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ کہہ دو کہ میری نماز اور میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ پروردگار عالم کے لیے ہے۔"

خدا کے لیے اخلاص اختیار کرنے سے مراد

یہ درج بالا آیات اِس حقیقت کو بالکل واضح کر دیتی ہیں کہ اللہ کے ساتھ تعلقِ عبادت و اطاعت کی اصل روح اخلاص ہی ہے۔ لہٰذا خدا کی عبادت و اطاعت شرک کے ہر شائبے سے پاک ہو اور اُس سے محض خدا ہی کی رضا اور اُسی کی خوشنودی مطلوب ہو۔

خدا کے لیے اخلاص اختیار کرنے کی اہمیت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا ہے کہ اُس کو انسان کے اعمال میں صرف اور صرف اخلاص ہی مطلوب ہے۔ سورۂ حج میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَنۡ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ.(۲۲:۳۷)

"اللہ تعالیٰ کو ہرگز اِن (قربانیوں) کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے، بلکہ اس تک صرف تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔"

اِس آیت کی شرح کرتے ہوئے مولانا اصلاحی مرحوم لکھتے ہیں:

"... مطلب یہ ہے کہ خدا قربانیوں کے گوشت یا خون سے محظوظ نہیں ہوتا، جیسا کہ مشرکین نے گمان کر رکھا ہے، بلکہ اس تقویٰ اور اس اسلام و اخبات سے خوشنود ہوتا ہے جو ان قربانیوں سے ان کے پیش کرنے والوں کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ قربانیاں پیش کرتے ہوئے اپنے اندر تقویٰ کی یہ روح پیدا کرو۔ اگر یہ چیز نہ پیدا ہوئی تو یہ محض ایک جانور کا خون بہا دینا ہوا، اس کا حاصل کچھ نہیں۔" (تدبر قرآن ۵/۲۵۱)

اللہ تعالیٰ کو ہماری ظاہر اور چھپی ہر چیز کا علم ہے۔ وہ ہمارے ظاہری عمل سے بھی واقف ہوتا ہے اور اس کے پیچھے جو دل کا ارادہ اور نیت ہوتی ہے، اُسے بھی وہ پوری طرح جانتا ہے۔ درج بالا آیات میں اُس نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اُس نے انسان کو اپنی عبادت و اطاعت میں اخلاص اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اُس کے ہاں عمل کا

ظاہر وزن نہیں پاتا، بلکہ اُس کے پیچھے موجود تقویٰ و اخلاص وزن پاتا ہے۔

انسان اپنے اعمال کے معاملے میں خداے علیم و خبیر کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ قیامت کے دن وہ جب اپنے بندوں سے اُن کے اعمال کا حساب لے گا تو اُنھیں اُن کی نیتوں کے عین مطابق اجر دے گا۔

حدیث میں اخلاص نیت کی اہمیت اِس طرح بیان ہوئی ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى المِنْبَرِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى». (بخاری، رقم ۱)

’’عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھے ہوئے یہ روایت بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا دار و مدار تو بس نیتوں پر ہوتا ہے اور ہر آدمی کے لیے وہی ہو گا جس کی اُس نے نیت کی ہو گی۔‘‘

یہ حدیث واضح طور پر بتا رہی ہے کہ تمام اعمال اپنے پیچھے موجود نیتوں اور ارادوں کے حساب سے وزن پائیں گے۔

خدا پاک ذات ہے، وہ اچھائی اور پاکیزگی ہی کو پسند کرتا ہے۔ چنانچہ وہ صرف اچھے اور پاکیزہ اعمال ہی کو قبول کرے گا۔ اُس کے ہاں نہ کسی برے عمل کے قبول ہونے کا کوئی امکان ہے اور نہ برے مقاصد سے کیے گئے بظاہر نیک اعمال کی قبولیت کی کوئی گنجایش ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ اچھے اعمال اگر خالص نیت کے ساتھ کیے گئے ہوں گے تبھی قبول ہوں گے، ورنہ نہیں۔ یعنی ایک آدمی اگر دوسرے کی مدد اپنے کسی مفاد کی خاطر کرتا ہے تو یہ شخص دوسرے کی مدد کرنے والوں میں شمار نہیں ہو گا، بلکہ یہ اپنا مفاد حاصل کرنے والوں میں شمار ہو گا۔

ریاکاروں کے اخلاص سے خالی اعمال کا انجام

نیتوں کے خالص نہ ہونے کی وجہ سے قیامت کے دن ریاکاروں کے اعمال کس طرح برباد کر دیے جائیں گے، اِس بات کو واضح کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’قیامت کے دن سب سے پہلے جن تین اشخاص[1] کا فیصلہ کیا جائے گا، اُن میں سے ایک وہ شخص ہو گا جو

---

[1] اس سے صرف تین ہی اشخاص مراد نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ سب سے پہلے اِس نوعیت کے افراد کا حساب ہو گا۔

دنیا میں شہید ہوا تھا، اُسے اللہ تعالیٰ کے حضور میں لایا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ ان سب کو تسلیم کرے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے اِن نعمتوں کو پا کر کیا اعمال کیے۔ وہ کہے گا: اے باری تعالیٰ، میں تیری راہ میں لڑا، یہاں تک کہ میں شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ کہے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو میری راہ میں نہیں، بلکہ اِس لیے لڑا تھا کہ بہادر کہلائے اور وہ تو کہلا چکا۔ پھر اُسے جہنم میں پھینکنے کا حکم ہو گا، چنانچہ وہ اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

دوسرا وہ شخص ہو گا جس نے علم سیکھا اور سکھایا؛ قرآن پڑھا اور پڑھایا تھا۔ اُسے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں لایا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ اُن سب کو تسلیم کرے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے اِن نعمتوں کو پا کر کیا اعمال کیے۔ وہ کہے گا: اے باری تعالیٰ، میں نے علم سیکھا اور سکھایا اور تیری خوشنودی کے لیے قرآن پڑھا اور پڑھایا۔ پروردگار کہے گا: تو جھوٹ کہتا ہے، میری خوشنودی کے لیے نہیں، بلکہ تو نے علم اس لیے سیکھا اور سکھایا تاکہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن اس لیے پڑھا اور پڑھایا تاکہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص قاری (قرآن کا معلم) ہے، پس تجھے یہ کہا جا چکا۔ پھر اُسے جہنم میں پھینکنے کا حکم ہو گا، چنانچہ وہ اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

تیسرا وہ شخص ہو گا جسے اللہ نے ہر طرح کا مال دیا تھا۔ اُسے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں لایا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ اُن سب کو تسلیم کرے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے اِن نعمتوں کو پا کر کیا اعمال کیے؟ وہ کہے گا: اے باری تعالیٰ، میں نے تیری رضا کی خاطر ہر اُس موقع پر انفاق کیا ہے، جس پر انفاق کرنا تجھے پسند تھا۔ اللہ تعالیٰ کہے گا: تو جھوٹ کہتا ہے، میری رضا کے لیے نہیں، بلکہ تو نے اِس لیے مال خرچ کیا تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں، اور وہ تجھے کہا جا چکا۔ پھر اُسے جہنم میں پھینکنے کا حکم ہو گا، چنانچہ وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔'' (مسلم، رقم ۱۹۰۵)

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑے کسی عمل کو بھی صرف اسی صورت میں قبول کریں گے، جب کہ وہ خالص نیت کے ساتھ کیا گیا ہو گا۔ کوئی شخص بھی خدا کو دھوکا نہیں دے سکے گا۔ خدا کے یہاں صرف وہی عمل قبول ہو گا جو واقعتاً اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہو گا۔[۲]

۲۔ نیت عمل کا محرک اصلی ہوتی ہے۔ درج بالا حدیث میں اخلاص نیت کا معاملہ اسی حوالے سے زیر بحث آیا ہے، یعنی عمل کا محرک اصلی خالص ہونا چاہیے۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ خالص اللہ کے لیے جہاد کرنے والا یا اُس کے لیے

اِس حدیث سے مزید ایک بات ہمیں یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب سے پہلے اپنے سرکشوں اور نافرمانوں کا حساب نہیں لے گا، بلکہ اپنے دھوکا باز فرماں برداروں کا حساب لے گا۔ وہ یہ بات کسی طرح گوارا نہیں کرے گا کہ اُسے دھوکا دیا جائے اور یقیناً وہ اِس سے بہت بلند ہے کہ اُسے دھوکا دیا جا سکے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خیرات کرنے والا اپنے بارے میں یہ خیال ہی نہیں کر سکتا کہ کل لوگ اُسے بہادر یا سخی سمجھیں گے۔ کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہونا بالکل فطری بات ہے اور یہ اخلاص نیت کے خلاف نہیں ہے، اخلاص کے خلاف تو یہ بات ہے کہ کوئی شخص لڑے ہی اِس لیے کہ وہ بہادر کہلائے اور ظاہر یہ کرے کہ وہ اللہ کے لیے لڑ رہا ہے، ایسا شخص دھوکا دینے والا شمار ہو گا، چنانچہ یہ کہا جائے گا کہ اِس کی نیت خالص نہیں ہے۔

محمد ذکوان ندوی

اجتماعی بحران کا سبب

آج کل یہ ظاہرہ عام ہے کہ بہت سے مذہبی ادارے اور خوش حال قسم کے مذہبی افراد اکثر اپنے تمام مادی وسائل کے باوجود یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ ہم ملی، قومی، تعلیمی، دعوتی اور رفاہی انداز کا جو کام کرنا چاہتے ہیں، وہ مطلوب انداز میں ہو نہیں پاتا، ہم اپنے تمام تر اخلاص اور وسائل کے باوجود مذکورہ میدان میں خاطر خواہ نتائج سے محروم ہیں۔ مثلاً اپنے ادارے کے تحت تزکیہ و تربیت اور تعلیم ودعوت کا جو کام مطلوب ہے، وہ وہاں انجام پانے سے قاصر ہے۔

تاہم اصل حقیقت اکثر اِس سے بالکل مختلف ہوا کرتی ہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ اِس ناکامی کا سبب وہ نہیں جو اِس قسم کے مخیر افراد عموماً بیان کرتے ہیں۔ اِس کے برعکس، اِس معاملے میں ناکامی کا سبب خداوندانِ ادارہ کی بڑھی ہوئی انانیت اور اُن کا استحصالی رویہ ہے، اور انا و استحصال (exploitation) کے اِس اخلاقی بحران کے ساتھ دنیا میں کسی پاکیزہ مقصد کا حصول ہرگز ممکن نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مذکورہ قسم کے بیش تر صاحب خیر افراد اصلاً دین اللہ کے خادم نہیں، بلکہ وہ خود اپنی انا کے پرستار ہوا کرتے ہیں۔ اُن کا اصل کنسرن عملاً درد ملت اور فلاح انسانیت سے زیادہ غالباً شہرت و امارت ہوتا ہے۔ چنانچہ جب تک اُن کی اِس اناپرستانہ نفسیات کو غذا پہنچتی رہے، وہ نرم، مخلص اور ہم درد و بااخلاق دکھائی دیتے ہیں، لیکن جیسے ہی اُن کی انا پر زد پڑے، اُن کی اصل شخصیت اُس زہریلے اژدہے کے مانند سامنے آجاتی ہے جو سردی کے موسم میں کنڈلی مار کر بہ ظاہر اِس طرح بے ضرر بن بیٹھے کہ ایک شخص اُس کی اِس ہیئت سے دھوکا کھا

جائے، لیکن جیسے ہی اُس کا پاؤں اژدہے کی دُم پر پڑے، وہ فوراً ڈسنے کے لیے کھڑا ہو جائے۔

اصل یہ ہے کہ کوئی اجتماعی کام ہمیشہ سنجیدہ اور باصلاحیت افراد کے ذریعے سے انجام پاتا ہے۔ اِسی کے ساتھ کسی بڑے کام کے لیے بڑی قربانی مطلوب ہے، اور یہ بڑی قربانی ہے: باصلاحیت افراد کی قدر شناسی اور حوصلہ افزائی۔ اِس لیے ضروری ہے کہ اِس قسم کے اجتماعی کام کرنے والے ایک شخص کے اندر وہ چیز بدرجۂ اتم موجود ہو جسے ''خوے دل نوازی'' کہا جاتا ہے، جس کے لیے انائے ذات کی قربانی لازماً مطلوب ہے۔ ایک ہندی مفکر نے انتہائی بامعنی طور پر کہا تھا:

چوٹ سَہے جو شَبَد کی، وائے گرو، میں داس!

یعنی جس شخص کے اندر یہ حوصلہ ہو کہ وہ اپنے خلاف باتوں کو منفی ردعمل کے بجائے معتدل ذہن کے تحت سن سکے، وہی ہمارا امرشد ہوگا، ہم اُس کے غلام ہیں۔

اجتماعی زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو بار بار اپنے خلاف سننا پڑتا ہے۔ ایسے موقع پر اگر وہ اُس پر سنجیدگی اور تحمل کے ساتھ غور و فکر کرنے کے بجائے بے برداشت ہو کر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے تو اجتماعی کام مطلوب انداز میں کبھی جاری نہیں رہ سکتا۔ تجارت یا پروفیشنل میدان میں شاید اِس طرح کی روش چل سکتی ہو، مگر تعلیم و تربیت جیسے فکری اور اجتماعی امور میں اِس طرح کا رویہ ہمیشہ صرف برعکس نتیجہ پیدا کرنے والا (counter productive) ثابت ہوگا۔

مزید یہ کہ فکری اور اجتماعی معاملات میں مال کی حیثیت صرف ثانوی ہے۔ یہاں اصل اہمیت حکمت و محبت، خوے دل نوازی اور حسن تنظیم کو حاصل ہے۔ تجربات بتاتے ہیں کہ عام طور پر مادی اعتبار سے صاحب حیثیت لوگ مال ہی کو اصل اہمیت دیتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مال ہر چیز کی تلافی کے لیے کافی ثابت ہوگا۔ تاہم اِس معاملے میں شاید اِس سے بڑا اور کوئی فریب نہیں۔ مال کی حیثیت زندگی میں صرف ایک عامل (factor) کی ہے، اِس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ مال اگر سب کچھ ہوتا تو کوئی پیسے والا شخص گھر سے لے کر باہر کی زندگی تک کبھی ناکام ثابت نہ ہوتا۔

لہٰذا جو شخص یہ محسوس کرے کہ اُس کے اندر نظم و برداشت، تواضع (modesty) اور خوے دل نوازی کا یہ ضروری وصف موجود نہیں، اُسے چاہیے کہ وہ ایسے تمام انتظامی اور اجتماعی معاملات سے پوری طرح کنارہ کش ہو کر زندگی کے دوسرے میدان میں اپنا مثبت تعمیری رول ادا کرے۔ اِس معاملے میں اُس کے لیے عملاً جو

انتخاب (option) ہے، وہ صرف دو چیزوں کے درمیان ہے: یا تو وہ اجتماعی کام کا خواب نہ دیکھے یا پھر وہ اُس کی ہر قیمت ادا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔

اِس معاملے میں تیسرے انتخاب (third option) کا طریقہ اختیار کرنا صرف فکری التباس (confusion) اور کامل ذہنی تباہی (breakdown) کی قیمت پر ہو گا، جو نہ صرف یہ کہ دین و انسانیت، دونوں کے خلاف ہے، بلکہ یہ خود اپنے آپ پر صریح ظلم کے ہم معنی ہے، اور ایک عقل مند شخص کبھی اِس نادانی کا تحمل نہیں کر سکتا کہ وہ خود اپنے ساتھ ظلم کا طریقہ اختیار کرے۔

یہی وجہ ہے کہ خدا نے خود اپنے پیغمبر کو بھی یہی بلند اخلاقی روش اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ حکمت و محبت اور خوے دل نوازی کی اِس صفت کو خدا کی خصوصی رحمت اور توفیق قرار دیا گیا ہے:

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۖ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ. (آل عمران ۳: ۱۵۹)

”یہ اللہ کی خصوصی عنایت ہے کہ تم اِن کے لیے بڑے نرم خو واقع ہوئے ہو۔ اگر تم درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمام افراد تمھارے پاس سے منتشر ہو جاتے، اِس لیے اِن سے درگذر کرو، اِن کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور متعلق معاملات میں برابر اِن احباب سے مشورہ لیتے رہا کرو۔“

استاذ جاوید احمد غامدی آیۂ بالا کی تشریح کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

”اِس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ارباب حل و عقد کے لیے عام حالات میں پسندیدہ طریقہ نرمی، چشم پوشی اور عفو و درگذر ہی کا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... اِسی سے افراد میں حسن ظن اور اعتماد پیدا ہوتا ہے جس سے اجتماعی نظام میں وحدت، قوت اور استحکام کی برکتیں ظہور میں آتی ہیں۔ سختی اور سخت گیری اِس کی فطرت میں نہیں، بلکہ اِس کے عوارض میں سے ہے۔ جس طرح صحت کے لیے اصل شے غذا ہے، لیکن کبھی کبھی کسی مرض کے علاج کے لیے دوا کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے، اِسی طرح اجتماعی نظام میں اصل چیز نرمی ہے، سختی کبھی کبھی ضرورت کے تحت اختیار کرنی پڑتی ہے۔“ (تدبر قرآن ۲/ ۲۱۰)“

(البیان ۱/ ۴۱۷)

خلاصۂ کلام

ایک شخص اگر واقعتاً تزکیہ، فلاح انسانیت اور رضاے الٰہی کا طالب ہے تو اُسے چاہیے کہ یا تو وہ اپنے عظیم ملی، قومی، تعلیمی، دعوتی اور رفاہی مقاصد کی قیمت ادا کرتے ہوئے خود پرستی سے بلند ہو کر حکمت و محبت کے ساتھ کام کرے یا پھر جس شخص یا گروہ کے علم و دیانت پر وہ مطمئن ہو، اُس کو اپنا مخلصانہ تعاون دے۔ البتہ وہ خود کسی اجتماعی کام کا بیڑا ہرگز نہ اٹھائے۔ اِس شرط کو پورا کیے بغیر اجتماعی کام کرنا خدا اور انسان، دونوں کے نزدیک صرف ایک جرم کے ہم معنی ہو گا۔ چنانچہ اِس بات کا سخت اندیشہ ہے کہ ایسا شخص خدا کے اُن نامطلوب بندوں میں شامل ہو جائے جن کے متعلق قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ. فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ۵ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ. (البقرہ ۲: ۹-۱۰)

’’وہ اللہ اور اہل ایمان، دونوں کو فریب دینا چاہتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف اپنے آپ کو فریب دے رہے ہیں، مگر وہ اِس بات کا شعور نہیں رکھتے۔ اِن کے دلوں میں (کبر و حسد اور نفاق کی) بیماری تھی تو اللہ نے اب اُن کی اِس بیماری کو مزید بڑھا دیا ہے، اور اپنے قول و عمل، دونوں میں دروغ گو ثابت ہو جانے کے باعث، اِن کے لیے بڑا دردناک عذاب تیار ہے۔‘‘

(ٹمکور، کرناٹک ۳۰/ اپریل ۲۰۲۳ء)

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

Trusted Name for Last 65 years

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949

Snowhite

DRYCLEANERS

Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI
Quality Certified
ISO 9001 : 2000

Brands of the year Award
IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS
2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk

Tel: 021-38682810